قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کرلیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہوگیا۔

جون ۱۹۹۸ء

ماہنامہ

المُرشد

لاہور

تصوف کیا نہیں

تصوف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے، نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے۔ نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے، نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباع سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوفِ اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔ (دلائل السلوک)

اولیسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

ماہنامہ

المرشد لاہور

سی.پی.ایل نمبر ۳

جلد ۱۹ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ بمطابق جون ۱۹۹۸ء شمارہ ۱۱

مدیر: تاج رحیم ★ سرکولیشن مینیجر: راناجاوید احمد

صفحہ نمبر	تحریر	عنوان
3	تاج رحیم	اداریہ
4	مولانا محمد اکرم اعوان	تقاضائے بعثت نبوی اور ہمارا طرز عمل
12	مولانا محمد اکرم اعوان	ذکر قلبی اور شیخ کامل
18	مولانا محمد اکرم اعوان	قرآن حکیم سے راہنمائی
24	مولانا محمد اکرم اعوان	قرب الٰہی کا معیار
29	مولانا محمد اکرم اعوان	قرآن کی حکومت
34	مولانا محمد اکرم اعوان	اسلام اور کفر
39	مولانا محمد اکرم اعوان	دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردے
47	مجاہد منصوری	ان پڑھوں کی عدالت

ناشر: پروفیسر حافظ عبدالرزاق : انتخاب جدید پریس لاہور
فون: ۶۳۱۴۳۶۵

پتہ: ماہنامہ المرشد. اویسیہ سوسائٹی: کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور: ۵۱۸۰۴۶۷

ماہنامہ **المرشد** کے

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مُجدّدِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیرِ اعلیٰ
ایم اے (عربی)

نشر و اشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے (اسلامیات)

ناظمِ اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

بدل اشتراک

فی پرچہ ۱۵ روپے

	سالانہ	تاحیات
پاکستان	۱۶۵ روپے	۲۵۰۰ روپے
غیر ملکی		
سری لنکا بھارت بنگلہ دیش	۴۰۰ روپے	۴۰۰۰ روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	۹۰ سعودی ریال	۷۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپ	۲۵ سٹرلنگ پونڈ	۱۳۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ	۱۴۵ امریکن ڈالر	۱۳۰۰ امریکن ڈالر
کینیڈا	۱۵۰ امریکن ڈالر	۱۳۵۰ امریکن ڈالر

اداریہ

ثقافتی انقلاب

خالق کائنات نے اپنے تخلیقی شاہکار حضرت انسان کو دو جنسوں کی صورت میں پیدا کرکے اسے نعمت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔
ومن اٰیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ یعنی اس کی حکمت تخلیق کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ مردوں کے لئے اسی جنس کے جوڑے یعنی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی معیت میں سکون حاصل کریں پھر شوہر اور بیوی کے درمیان محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا۔

پھر انتظامی تقاضا پورا کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ الرجال قوامون علی النساء۔ یعنی صنف نازک کی دیکھ بھال ان کی نگرانی اور رہنمائی کے لئے مردوں کو ان کا نگران بنا دیا۔

پھر تمدنی پہلو کی تشکیل کیلئے عورتوں کو داخلی معاملات سونپتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وقرن فی بیوتکن۔ یعنی تم اپنے گھروں کے اندرونی معاملات کو سنوارنے میں ہمہ تن مصروف ہو جاؤ اس کے ساتھ بالکل متصل یہ حکم دیا کہ ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ یعنی جاہلیت زدہ معاشرہ کی عورتوں کی طرح بن ٹھن کے اظہار حسن کرتی ہوئی باہر نکل کر مردوں کو رجھاتی نہ پھرو' پھر مثالی عورت کا مثالی وصف بیان فرمایا کہ فالصالحات القانتات۔ یعنی مثالی عورتیں وہ ہیں جو مردوں کی رہنمائی میں ان کی ہدایات کے مطابق کام کرکے مجسم اطاعت بن جائیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان خطوط پر جو معاشرہ قائم ہوا اس میں آج بھی مرد مثالی مرد اور عورت مثالی عورت نظر آتی ہے اور معاشرہ میں جو سکون پایا جاتا تھا آج کا انسان اس کو ترس گیا ہے۔ انسان نے جب فطرت سے بغاوت کی تو تقسیم کار کے اس فطری اصول کو کہ مرد میں فعالیت ہے اور عورت میں انفعالیت سب سے پہلے نشانہ بنایا اور خالق انسان کے ہر حکم سے بغاوت کو مقصد حیات بنا لیا۔ عورت کو گھر سے نکالا اور اسے بنا سنوار کر نمائش حسن کی ہر ٹیکنیک سے آشنا نہیں بلکہ ماہر بنا کر رکھ دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گھر کا انتظام درہم برہم اور عام زندگی مستقل عذاب بن کے رہ گئی۔ مغرب اس بغاوت میں امامت کے منصب پر فائز ہے ابھی کل کی بات ہے کہ ایک اخبار میں خبر تھی کہ برطانیہ میں شادی نکاح کا تکلف ختم ہو گیا ہے۔ 50 فیصد بن بیاہی مائیں معاشرے میں موجود ہیں اور انہیں اس اقدام پر ناز بھی ہے۔

کہنے کو ہم آزاد ہیں اور نصف صدی بیت گئی ہم آزادی کی نعمت سے مستفید ہو رہے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم دنیا کی وہ غلام قوم ہیں کہ جنہیں اپنی غلامی کا احساس بھی نہیں ہمارے ذہن غلام' ہماری سوچ غلام' ہماری پسند غلام' ہمارا تمدن غلام' ہم ظاہر باطن سرتاپا غلام۔ اور یہ سارا کرشمہ ہمارے ذرائع ابلاغ کا ہے۔

دراصل یہ انقلاب ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے برپا کیا گیا۔ علمی انداز سے سنجیدگی کے ساتھ مسلمانوں کو اس "مادر پدر" آزادی پر آمادہ کرنا آسان کام نہیں تھا۔ اس لئے ماہرین فن نے نفسیات انسانی سے کام لیتے ہوئے طریقہ یہ اختیار کیا کہ ہلکی پھلکی تفریح کے ذریعے یہ انقلاب لایا جائے تاکہ عقل اور شعور کو اس کا احساس نہ ہونے پائے چنانچہ "دانشور" شعراء نے گانے تیار کئے جو جذبات میں ہلچل مچا دیں' ریڈیو اور ٹی وی کے ارباب بست وکشاد نے ان گانوں کو مالکونس' بھیرویں' ہمکدارا اور ٹھمری کے لباس میں یوں پیش کیا کہ کانوں کے راستے دل میں اترتے چلے جائیں اور اس عمل میں اس تدریج کو پیش نظر رکھا جو ایک ماہر نفسیات ہی کا کام ہے۔ سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ نفسیات کا پرانا اصول غلط ہے' ماہرین نفسیات جن اوصاف کو مردانہ اوصاف قرار دیتے ہیں وہ سب دراصل عورت کی خصوصیات ہیں یعنی فعالیت عورت کا وصف ہے۔ اثر اندازی عورت کا اسلحہ ہے مرد اثر پذیر ہوتا ہے وغیرہ۔

ریڈیو اور ٹی وی پر گائے جانے والے گانے اسی اصول اور تدریج سے لاگو کئے گئے اور یہ زہر ہماری نوجوان نسل میں نہایت سرعت سے پھیل رہا ہے اور نفاذ اسلام کے قافلوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔

(تاج رحیم)

تقاضائے بعثت نبوی اور ہمارا طرز عمل

مولانا محمد اکرم اعوان (خطبہ جمعۃ المبارک بمقام دار العرفان، مورخہ 97-7-11ء)

انسان کے اندر جو روح ہے یہ بالکل ایک الگ شے ہے اور اس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے، قل الروح من امر ربی۔ قرآن حکیم میں دو چیزیں آئی ہیں۔ خلق اور امر۔ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں وله الخلق والامر۔ اس کی ذات کے لئے ہے ساری خلق بھی اور وہی مالک ہے امر کا۔ خلق کیا ہے، وہ چیز جسے اللہ نے تخلیق فرمایا۔ جتنی خلق ہے یہ عدم سے وجود میں آئی اس کا کسی زمانے میں کوئی نشان نہیں تھا۔ اللہ کریم نے عدم سے اسے وجود بخشا اور یہ وجود فانی ہے لیکن امر صفت باری ہے اور جس طرح اللہ کی ذات قدیم ہے اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ اب روح انسانی جو ہے یہ امر الٰہی سے متعلق ہے۔ کس طرح امر کی تجلی سے اسے تخلیق فرمایا، کس طرح پر تو سے اسے پیدا کیا، یہ بات سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ فرمایا:۔

قل الروح من امر ربی، اے میرے حبیب ﷺ ان سب کو بتا دو، کسی سے چھپانے کی ضرورت نہیں ہے، کہہ دیجئے، فرما دیجئے کہ روح انسانی، امر ربی ہے اس لئے روح کو فنا نہیں ہے کیونکہ یہ عدم سے نہیں ہے یہ پرتو صفات ہے، صفات باری کو دوام ہے اس لئے اس پرتو کو بھی دوام ہے۔ اب ایسا انوکھا جوڑ لگایا رب العلمین نے کہ ادنیٰ ترین جو مادہ تھا، صنعت تخلیق میں سب سے کثیف تھا، سب سے نچلی سطح کی چیز جو تھی اس سے وجود انسانی بنایا اور ساری کائنات میں سب سے اعلیٰ صفت جو تھی، ذاتی صفت، اس سے روح انسانی بنا کر اس کو یکجا کر دیا، اس یکجائی کا اثر ہے کہ انسان کبھی فنا نہیں ہوتا۔ جب سے یہ مادہ وجود میں آیا اور اس میں روح داخل ہو گئی اب یہ ہمیشہ رہے گا، یہ کبھی فنا نہیں ہو گا۔ کہاں رہے گا اس کا انتخاب اس پر چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ اسے اتنے کمال بخشے، محققین کے نزدیک انسان عالم صغیر ہے اور پوری دنیا ایک عالم کبیر ہے، پورے عالم میں جس طرح زمینیں ہیں، آسمان ہیں، سورج ہیں، چاند ستارے ہیں، موسم بدلتے ہیں، بارشیں ہوتی ہیں، پھول کھلتے ہیں، خزاں آتی ہے، زلزلے آتے ہیں، تباہیاں ہوتی ہیں، بستیاں آباد ہوتی ہیں، بستیاں اجڑتی ہیں، قتل وغارت ہوتی ہے، خون بہتے ہیں یا امن وانصاف ہوتا ہے، عدل ہوتا ہے، یہ سارے کا سارا اگر سمیٹ کر اس کی مائیکرو بنائی جائے تو انسان بن جاتا ہے، اسی طرح اس کے اندر موسم ہیں۔ اسی طرح، اس کے اندر مختلف قوتیں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں۔ اس کے اندر بھی بہار وخزاں کے عالم ہیں۔ اس میں بھی کبھی عدل وانصاف کی لے چلتی ہے اور کبھی ظلم وجور کے شور اور ولولے اور شور وغوغا اٹھتا ہے یعنی جو کچھ دنیا میں ظہور پذیر ہے اسی طرح سے اس کی ایک مائیکرو چلتی رہتی ہے انسان کے اندر۔ اب یہ ساری صفات اس کے اندر رکھ کر اسے صرف ایک بات کا پابند کیا ہے کہ اس عالم کبیر کے زیر وبم کو تو میں خود اپنے اختیار سے چلاتا ہوں۔ اگر ایک لمحہ میں اسے چھوڑ دوں یہ تباہ ہو جائے۔ یہ اپنے آپ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس کے وجود میں، اس کی ذات میں فنا ہے یہ فنا کی طرف لپکتا ہے یہ ازل سے وجود میں آیا ہے اور معدوم ہونے کا طلب گار ہے۔ اللہ کریم کا ذاتی طور پر اسے سنبھال کے رکھنا اسے چلانا اس کے قیام اور اس کی بقا کا سبب ہے۔ یہ انسان کے اندر ایک عالم صغیر بن گیا۔ اس کے لئے فرما دیا کہ "اب تیرا صرف ایک کام ہے کہ تو اس کی باگ ڈور میری ذات سے وابستہ رکھ تو سلامتی ہی سلامتی ہے"۔ جہاں سے اس کی باگ ڈور تو نے میری ذات سے الگ کی تو یہ تباہی کی طرف جائے گا اور اس کا ذمہ دار تو ہے کیونکہ تو اپنی مرضی کرنا چاہے گا تب میری ذات سے اس کی باگ ڈور الگ کرے گا۔ اب یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی یہ کائنات کے نظام کے برابر تھا ایک وجود کو چلانا۔ اب کیسے اسے اللہ کریم کے ساتھ اس کے دست قدرت میں رکھا جائے۔ اس کے لئے اللہ نے انبیاء علیہ السلام مبعوث فرمائے۔ ہر ایک کی ضرورتیں الگ تھیں، ہر قوم کی ضرورتیں الگ تھیں، ہر قوم کے مفادات الگ تھے، ہر قوم کے حالات الگ تھے، موسم الگ تھے، تو ہر، ہر قوم میں اللہ

نے نبی اور رسول بھیجے۔ ان کے حالات ان کے موسموں' ان کے مزاج' ان کی ضروریات کے مطابق' انہیں کس طرح رب العلمین سے اپنا رابطہ رکھنا ہے۔ یہ ان انبیاء ورسل نے ان اقوام کو بتایا۔ انسانیت جوانی کی طرف بڑھتی گئی' کمال کی طرف بڑھتی گئی اور جب انسانیت اپنے عروج پر پہنچی' کمال پر پہنچی تو یہ فطرت باری ہے اللہ جل شانہ کی سنت ہے۔

آپ دیکھیں ایک چھوٹی سی کونپل نکلتی ہے پھر تن آور درخت بنتا ہے۔ اسے تناور درخت بننے کے لئے مختلف مدارج سے گزرنا پڑتا ہے۔ چھوٹا سا بچہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ ہاتھی شیر بن جاتا ہے انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ ایک بڑا جوان بن جاتا ہے پھر اس جوانی تک' اس بلوغت تک پہنچنے کے لئے درجہ کمال کو پانے کے لئے' اسے کچھ وقت' کچھ مدارج' کچھ پراسس سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہی حال انسانیت کا تھا جب انسانیت کا بچپن تھا آدم علی نبینا وعلیہ والصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اس وقت ساری شریعت یہ تھی کہ کھیتی باڑی کس طرح سے کرنی ہے' سونا جاگنا کس طرح سے ہے' شادی بیاہ کیسے ہو گا اور یہ کہ ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ کس طرح رکھا جائے گا۔ یہی ساری شریعت تھی ان کی اور یہی ان کے لئے بہت مشکل تھا۔ انسان کو دنیا کی خبر ہی نہ تھی کہ اب میں کہاں سے نکلا اور کہاں آگیا یہاں یہ شب وروز کیسے گزریں گے۔ جوں جوں انسانی مزاج' انسانی ذہن' انسانی عقول ترقی کرتے گئے' اور اپنے نقطہ عروج پر جب پہنچے تو رب جلیل نے اپنا وہ رسول مبعوث فرمایا جو بیک وقت ساری انسانیت کے لئے ہے۔ یہ اتنا بڑا واقعہ ہے اس عالم رنگ و بو میں' کہ جب سے کائنات بنی ہے تب سے لیکر جب تک کائنات رہے گی صرف ایک بار یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ ایک بار ایسا رسول مبعوث ہوا۔ صرف ایک نبی برحق ﷺ ایسے آئے' ایک ایک گاؤں میں تین تین نبی' تین تین پیامبر آگئے' ایک ایک قوم میں' لیکن یہ آنے والا تخلیق کائنات سے لیکر ہمیشہ تک کے لئے صرف ایک بار آیا اور ایسا واقعہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوا تھا نہ اس کے بعد کبھی ہو گا۔

کائنات کی تاریخ ہی واقعات سے ہے اور دنیا کا کوئی ایسا واقعہ نہیں جس کا تسلسل نہ پایا جاتا ہو' بلکہ کہا یہ جاتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ واقعات میں اسقدر تسلسل آتا ہے کہ کہنے والے کہتے ہیں' تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے لیکن بعثت محمد رسول ﷺ وہ واقعہ ہے جسے کبھی دہرایا نہیں جائے گا یہاں آکر تاریخ بھی تھم گئی' دانشوروں کے بنائے ہوئے اصول بھی تھم گئے' دنیا کے رواجات اور رسومات بھی تھم گئیں' آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اس کائنات بسیط میں' جس میں ہر لحظہ ایک نیا رنگ ابھرتا ہے اس میں کوئی ایسا پھول بھی کھلے جو کبھی مرجھائے نہیں اور اس جیسا کوئی دوسرا پھول کھلے بھی نہیں' یہ تھوڑا حادثہ بہت' بہت بڑا واقعہ ہے' اتنا بڑا واقعہ کہ جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ یہ محض بات نہیں ہے کہ ایک رسول سب کے لئے مبعوث کر دیا اور بس! آپ جس پہلو پر غور کریں وہی بے نظیر ہے بے مثال ہے۔ ہر قوم میں نبی کیوں آتے تھے؟ اس لئے کہ انہیں ان کے موسموں' ان کے حالات' ان کے مزاجوں اور اس زمانہ کی ضروریات کے مطابق انہیں اسلوب زندگی سکھائیں۔ اب کسی قوم میں کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ساری انسانیت سے کہہ دیا۔

قد جاء کم من اللہ نور وکتاب مبین۔

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب پہنچ چکی مزید کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ لفظ نور پر بڑی بحثیں ہوتی ہیں اس لئے کہ ہم لوگ عمل سے محروم ہو چکے ہیں اور جو قومیں عمل کرنا چھوڑ دیتی ہیں وہ باتیں زیادہ کرتی ہیں۔ حضور ﷺ کی بعثت اور اس کا مقصد موضوع بحث ہی نہ رہا۔ لوگوں نے ذات رسول ﷺ کو موضوع بحث بنا لیا کہ ذات پیامبر ﷺ میں یہ کمال ہے' ذات پیامبر ﷺ میں یہ کمال نہیں ہے۔ یہ دونوں انداز گستاخانہ ہیں' کوئی ایسا بندہ روئے زمین پر نہیں ہے جو کمالات نبوی ﷺ کا تعین کر سکے اور کوئی ایسا بندہ روئے زمین پر نہیں ہے جو آپ ﷺ کے کمالات میں سے کچھ نفی کر سکے۔ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات کیا ہیں؟ اشھد

ان محمد اعبدہ ورسولہ۔ بات ختم ہو گئی' سیدھا سیدھا جواب ہے کہ اللہ کے بندے ہیں' آقائے نامدار ﷺ لیکن اللہ کے رسول ہیں' اللہ کی ذات کا حصہ نہیں ہیں' غیر مخلوق نہیں ہیں' خدائی اوصاف میں شریک نہیں ہیں' نہ اس کی ذات میں شریک ہیں' نہ اس کی صفات میں شریک ہیں' اللہ' اللہ ہے حضور ﷺ اللہ کے بندے ہیں۔ لیکن کوئی بندہ حضور ﷺ جیسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ اللہ کے آخری اور برحق رسول ہیں' بات ختم ہو گئی' اب جو کمال بھی اس رسالت کے منصب کا تقاضا ہے وہ حضور ﷺ میں موجود ہے اگر ہم ساری زندگی یہ بحث کرتے رہیں کہ منصب رسالت کو کیا کیا کمالات چاہئیں تو ہم نہیں سمجھ سکتے اس لئے کہ ہر روز انسانی ضروریات بدلتی ہیں' حالات بدلتے ہیں' افکار بدلتے ہیں' سوالات پیدا ہوتے ہیں اور ہر سوال کا جواب چاہئے قوم کو' اپنے نبی اور اپنے رسول سے کہ یہ کام میں کس انداز سے کروں کہ میری مہار دست قدرت میں رہے' اب اس کا جواب دینا اللہ کے نبی کا کام ہے یا اللہ کی کتاب کا اور ہم یہ بحث شروع کر لیتے ہیں کہ حضور ﷺ نور ہیں کہ نہیں ہیں۔ بھئی آپ نور کسے کہتے ہیں؟ یوں تو فرشتہ بھی نوری مخلوق ہے نور سے پیدا کیا گیا ہے اور فرشتے غلام ہیں محمد رسول ﷺ کے' میرے بھائی آپ اس بحث میں کیوں پڑتے ہیں۔ نور ہدایت ہے' نور برکات ہے اللہ سے تعلق کا سبب ہے کائنات میں سارے کا سارا ایک ایک ذرہ کسی کو نصیب ہوتا ہے تو وہ ذات رسول اللہ ﷺ سے نصیب ہوتا ہے۔ آپ ﷺ مہبط نور ہیں' مخزن نور ہیں' بحر نور ہیں' مینارہ نور ہیں جو جی چاہے کہہ لیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں لوگو! تمہارے پاس آچکی میری کتاب۔ لیکن لوگ جانتے ہیں کسی کو اللہ نے براہ راست نہیں دی' لوگوں نے لی محمد ﷺ سے۔ کوئی دوسرا اس بات پر گواہ بھی نہیں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو میں بھی سن رہا تھا۔ ایسے ہی اتری نہیں' کسی نے نہیں سنی۔ سب نے تب ہی جانا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ "کہ قرآن اللہ کا کلام ہے لیکن ہم تک پہنچا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے۔ اب قرآن میں' رسول ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کی سنت میں بھی یہ کمال ہونا چاہئے کہ دنیا کے ہر گوشے میں بسنے والے انسانوں کی' ہر زمانے کی ہر ضرورت کا' ہر سوال کا جواب عطا فرمائیں' اگر کہیں یہ ثابت ہو جائے کہ اسوہ حسنہ یا کتاب اللہ کسی بات کا جواب دینے سے قاصر ہے تو ختم نبوت پہ حرف آئے گا اور یہ بات مانی جائے گی کہ اللہ نے نیا نبی نہ بھیج کر زیادتی کی۔ پرانے نبی کے پاس تو ان سوالوں کا جواب ہی نہیں ہے' حالات بدل گئے' واقعات بدل گئے' ضرورتیں بدل گئیں۔ جب اللہ کریم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ کوئی نیا نبی نہیں آئے گا تو اللہ کریم ان سب باتوں کو جانتا تھا' انسانی ضروریات کو جانتا تھا' ضرورتیں بعد میں آتی ہیں اور تکمیل کے ذرائع پہلے بھیج دیتا ہے۔ سوال بعد میں ہوتا ہیں وہ جواب پہلے بھیج دیتا ہے۔ دنیا آج ایک گلوبل ولیج بن گئی ہے۔ آج اگر امریکہ میں اور نبی ہوتا برطانیہ میں اور نبی ہوتا' یورپ کے دوسرے ملکوں میں اور نبی ہوتے' فارایسٹ میں اور نبی ہوتے تو ایک انسان ایک وقت میں کس کس نبی کی شریعت پر عمل کرتا کیونکہ دنیا تو سمٹ کر گویا ایک گاؤں بن چکی ہے یہ ضرورت اس وقت نہ تھی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے' ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام ہم عصر تھے۔ درمیان میں ایک دریا بہتا تھا اور دریا کے اس پار ابراہیم علیہ السلام کی شریعت تھی اور اس پار لوط علیہ السلام کی۔ لیکن آج اگر ایسا ہوتا کہ سرزمین ہند پر اور نبی ہوتا اور جزیرہ نمائے عرب پر اور ہوتا تو جو یہاں سے جاتا مکہ مکرمہ وہاں کی شریعت سیکھتا یہ ضرورتیں بعد میں بنیں' رب العلمین نے ایک شریعت پوری انسانیت کے لئے پہلے بھیج دی اور پھر ثابت کر دیا خلفائے راشدین نے' تین چوتھائی عالم کو مدینہ منورہ کی ریاست کے تحت لاکر کہ پوری دنیا پر' ہر قوم میں' ہر زمانے میں اسلامی نظام کو رائج کیا جا سکتا ہے' انسانیت کے لئے' یہی سب کے لئے بہتر ہے۔ اور بڑے مزے کی بات یہ ہے

کہ آج جو اسلام کو نہیں مانتے' جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں مانتے' جو اللہ تک کو نہیں مانتے' مجبوریاں ان سے بھی وہی اصول منواتی ہیں جو محمد رسول ﷺ نے عطا فرمائے۔ مغرب میں جنس پر کوئی پابندی نہیں ہے اسے سیکس فری سوسائٹی کہتے ہیں۔ اسلام نے جنس کو کسی کا ذاتی مسئلہ قرار نہیں دیا۔ اس صفت کو اس نے احکام الٰہی کا پابند بنایا ہے اور اس کو وہ رخ دیا ہے کہ یہ نسل انسانی کی بقا کا سبب ہے' عیش کوشی کا نہیں۔ مغرب نے اس اصول کو نہیں مانا لیکن انکار بھی نہیں کر سکے۔ آج امریکہ کے صدر بل کلنٹن پر ایک الزام ایک عورت نے رکھ دیا کہ میرے ساتھ اس نے بدکاری کی تھی۔ آپ اندازہ کیجئے اس کے وکیلوں نے عدالت میں استدعا کی کہ یہ صدر امریکہ ہے ایک عام خاتون اٹھ کر الزام لگا رہی ہے اس کی کیا حیثیت ہے کم از کم جب تک یہ صدر ہے اس الزام میں اسے نہ گھسیٹا جائے۔ یوں تو کوئی بھی اٹھ کے یہ الزام لگا سکتا ہے' اس طرح صدارت کی توہین ہوگی' لوئر کورٹ نے یہ استثنائی فیصلہ دیا تو اس خاتون کے وکیل سپریم کورٹ میں چلے گئے۔ پچھلے دنوں سپریم کورٹ کا فیصلہ آیا ہے کہ صدر ہونا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ قانون سب کے لئے ایک ہے اور اس مقدمے میں اسے ٹرائی کیا جائے۔ بھئی کمال ہے! جب آپ کی سوسائٹی سیکس فری ہے تو صدر نے اگر کوئی ایسا کام کر لیا تو یہ قابل گرفت کیوں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ جی بات یہ ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس پر پابندی نہ ہو لیکن صدر پر اس پابندی کا نہ ہونا غیر انسانی فعل ہے اور کم از کم ملک کے جو صاحب اقتدار ہیں' جن کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہے' ان میں تو کوئی انسانی خوبیاں ہونی چاہئیں' انہیں حیوان نہیں ہونا چاہئے۔ یار کون کہتا ہے نہیں مانتے' ماننا ہی پڑ گیا نا وہی اصول جو محمد رسول ﷺ نے دیا تھا۔ یہ انہوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ معیار انسانیت سے گرا ہوا ہے جو نہیں مانتے انہیں بھی ماننا پڑتا ہے' برطانیہ کے کتنے وزیروں کا آپ نے پڑھا' انہیں سیکس سیکنڈل میں' لڑکیوں کے سیکنڈل میں استعفیٰ دینا پڑا' کیوں دینا پڑا' اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ غیر اخلاقی کام ہے انسان میں شعور ہونا چاہئے۔ ہر کھیت میں چرنا تو جانور کی صفت ہے۔ انسان کو اپنے پرائے کی تمیز ہونی چاہئے جسے یہ بھی تمیز نہیں وہ کم از کم ملک کی قیادت کے اہل نہیں ہے۔ کیسے سنہرے اصول دیئے آقا نامدار ﷺ نے کہ جو نہیں مانتے انہیں بھی ماننا پڑتے ہیں۔

آج مغرب کی دنیا میں سب سے زیادہ قلاش ملک امریکہ ہے یہ اور بات ہے کہ پاکستان کا ہر آدمی امریکہ جانے کی تیاری کئے بیٹھا ہے اور اگر امریکن سفارت خانہ' ہم لوگوں سے گھر خریدنا شروع کر دے کہ گرین کارڈ کے بدلے اپنا گھر' زمین جائیداد ہمیں دے دیں تو سارے بیچ کے چلے جائیں گے۔ لیکن جو وہاں ہیں ان کے شوق پورے ہو چکے ہیں اور آج بھی امریکہ میں آدمی جو کچھ کماتا ہے وہ کم وبیش ستر فیصد ٹیکسز میں چلا جاتا ہے۔ جس کی سو روپے تنخواہ ہے اسے تیس روپے ملتے ہیں' ستر روپے ٹیکس کٹ جاتے ہیں۔ راس پیرو ان کا ایک اکانومسٹ ہے اس نے پچھلے صدارتی انتخاب میں بھی حصہ لیا تھا۔ اس نے اپنے مالیاتی تجزیہ میں لکھا کہ اگر بیس پچیس سال امریکہ کا یہی حال رہا تو امریکہ سلامت نہیں رہ سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ 2020ء میں امریکہ کا ہر شہری اپنی آمدن کا اسی فیصد ٹیکس میں دے گا تب امریکی حکومت چلے گی۔ اب جب وہ اسی فیصد ٹیکس میں دے گا تو کیا وہ بیس فیصد کی خاطر کام کرے گا اور اگر لوگ کام چھوڑ دیں گے تو یہ سلطنت کلیپس Collapse ہو جائے گی۔ پھر اس کا حل کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ایک حل باقی ہے ہمارے پاس کہ ہم افراد کو ٹیکس کرنے کی بجائے سرمائے کو یعنی (Assets) کو ٹیکس کریں' یہ جو ٹیکس ہم لگاتے ہیں اتنے پرسینٹ اتنے پرسینٹ یہ افراد پر ہے' ہم افراد کو چھوڑ دیں بندوں کو چھوڑ دیں' سرمائے پر ٹیکس لگائیں کہ کس کے پاس کتنا سرمایہ ہے' اس پر ٹیکس لگائیں تو ہم بچ سکتے ہیں۔ سرمائے پر ٹیکس جسے آپ کہتے ہیں یا ایسٹس (Assests) پر ٹیکس اسے قرآن' زکوٰۃ کہتا ہے یعنی جس کے پاس چالیس روپے ایک سال تک محفوظ ہیں' اس کی ضرورت سے زائد ہیں وہ

ان میں سے اتالیس کا حقدار ہے۔ ایک روپیہ قوم کو لوٹا دے وہ اللہ کا مال ہے یعنی بندوں کو ٹیکس کرنے کی بجائے سرمائے کو ٹیکس کیا جائے۔ اب یہ ان کی تجویز ہے جو حضور ﷺ کو نہیں مانتے' اللہ کو نہیں مانتے' قرآن کو نہیں مانتے' اسلام کو نہیں مانتے لیکن ماننا پڑتا ہے۔ آپ ﷺ کے حوالے سے نہ مانیں ان کی بدبختی 'اسلام کی حقانیت کے حوالے سے نہ مانیں' آخرت سے محروم رہیں گے لیکن زندہ رہنے کے لئے ساری سوچیں کرنے کے بعد وہ بھی یہیں پہنچے کہ کرنا ویسے ہی پڑے گا۔

ہر که دانا کند کند نادان
لیک بعد از خرابی بسیار

جو کچھ دانا کرتا ہے کرتا نادان بھی وہی ہے لیکن بڑا خجل خراب ہو کر کرتا ہے کیونکہ حل تو وہی ہوتا ہے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ نور اور کتاب مبین نے جو اصول دیئے' نور ہدایت سے جو اصول ملے' نور مصطفی ﷺ سے جو اصول ملے' نور قرآن سے جو اصول ملے وہ اتنے جاودانی اور ہمہ گیر ہیں کہ دشمنوں کو بھی ان کی حقانیت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اب یہ سارا اہتمام اتنا بڑا واقعہ کس لئے تھا کہ یہ عالم صغیر یہ حضرت انسان جو ہے اس کے شب و روز' اس کے موسموں کے تغیر و تبدل' اس میں خوشی' غصہ' اس میں زلزلے آئیں یا بہاریں' اس کی باگ ڈور اس رب العلمین کے ہاتھ میں رہے اور وہ طریقے بتائے ہیں آقائے نامدار ﷺ نے۔ اب ہم نے کیا کیا! ہماری اب مسلمانی یہ ہے کہ ہم کہیں گے جی ربیع الاول مہینہ آگیا' ڈھول والوں کو بلاؤ' تاشے گانجے والوں کو بلاؤ' آتش بازی والوں کو بلاؤ' نعرے لگاؤ' لاؤڈ سپیکر لگاؤ اور ہر وہ کام کرو جس سے محمد رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے یعنی اپنا کردار' اس عالم صغیر کے زیر و بم' اس کے تغیر و تبدل کو اپنی مرضی سے کرو اور اچھلو کودو' ناچو گاؤ خوشیاں مناؤ۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ مسلمانی کیا ہے۔ میں نے غالباً" پچھلے کسی جمعہ میں بات کی تھی اپنے محترم وزیر خزانہ صاحب کا بیان پڑھ کر کہ ہمارے وزیر خزانہ نیک آدمی ہیں بڑے پکے نمازی ہیں۔ مسجد میں جانے کا اہتمام کرتے ہیں جمعہ بھی باقاعدگی سی پڑھتے ہیں' اچھے علماء کو سنتے ہیں' ایک دینی مدرسہ بھی کفارہ عصیاں کے لئے بنا رکھا ہے اپنی محنت سے ان کا سارا اہتمام کرتے ہیں' خرچ اخراجات دیتے ہیں' لوگوں کو دین پڑھانے کا اہتمام کرتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود فرما رہے تھے کہ یہ جو ہمارا سودی معیشت کا نظام چل رہا ہے اگر ہم اسے شریعت کورٹ کے حکم کے مطابق بند کر دیں تو ملک ختم ہو جائے گا۔

وہ یہودیانہ معیشت کا ماہر اقتصادیات ہے' نماز پڑھتا ہے' دینی مدرسہ چلاتا ہے' نیک ہے شراب نہیں پیتا' برائی نہیں کرتا۔ لیکن نہیں جانتا کہ محمد رسول ﷺ نے کونسا معاشی نظام دیا تھا' نہیں جانتا کہ اسلام کے پاس اس سوال کا جواب کیا ہے' تو پھر کیا فائدہ اس مسلمانی کا وہ قوم کیسے عمل کرسکے جس کے سربراہ تک اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ اس سوال کا جواب شریعت اسلامیہ نے' شریعت محمدی نے کتاب الٰہی نے کیا دیا اور کس طرح ہونا چاہیے۔ صرف پٹاخے چلانے سے تو بات نہیں بنے گی' آتش بازیاں چھوڑنے سے تو بات نہیں بنے گی' ڈھول بجانے سے تو بات نہیں بنے گی' ہم اپنا انحطاط دیکھیں' ہم کس قدر دور چلے گئے ہیں کہ عمل کرنا نہ کرنا تو دوسری بات ہے ہمارے ماہرین' ہمارے سربراہ جو ہیں وہ بے چارے جانتے ہی نہیں اور کیسے جانیں؟ ماں کی گود سے لیکر اپنی اس عمر تک جہاں پڑھا' جو کچھ پڑھا' دنیا کے سارے علوم پڑھے سوائے اسلام کے' یہ کیسی قوم ہے۔ میرے بھائی! ماننے کے لئے تو جاننا شرط ہے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے کوئی کہہ دے کہ جی اسلامی نظام کا مجھے پتہ نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اسلامی نظام معیشت کو مانتا ہی نہیں ہے اور! کفر سینگ ہوتے ہیں؟ ارے اسلام اور قرآن تو سارے کا سارا ماننا پڑے گا۔ اگر کوئی قرآن کے کسی ایک حرف کے ایک ٹنڈے انکار کر دے' وہ کہے' جی میں سیپی کے دو ٹنڈے مانتا ہوں تیسرا نہیں مانتا اس پر تو آپ کفر کا فتویٰ لگا دیں گے اور جو قرآن نے پوری انسانیت کے لئے دیئے ہوئے معاشی نظام ہی سے نابلد ہو'

جاننا ہی نہ ہو' مانے گا کب اور جب مانتا نہیں تو وہ کیسا مسلمان۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اللہ اسے جنت بھی دے' حوریں بھی دے' لیکن حیرت ہے' جو جانتا ہی نہیں وہ مانتا کیسے ہے' یہ فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو بات بندہ جانتا ہی نہیں اس بات کو وہ مانے گا کیسے' ماننے کے لئے تو جاننا شرط ہے۔ کافرانہ نظام معیشت کی تو ایک ایک اونچ نیچ جانتا ہے لیکن اسلام کے بارے اتنا مجمل ایمان بھی نہیں ہے کہ یار میں نہیں جانتا لیکن اسلام کے پاس اس کا جواب ضرور ہو گا۔ یہ نہیں کہا انہوں نے کہ یہ میری نالائقی ہے' میں نہیں جانتا' لیکن جاننے والوں کو پتہ ہے۔ نہیں! انہوں نے کہا! یہ تو چل ہی نہیں سکتا۔ چلو بات ہی ختم۔ او دیکھو! ایک ایسی ہستی جو پوری انسانیت کے لئے ایک ہی بار آئی اور جس نے عملاً" روئے زمین پر اپنا نظام رائج کرکے دکھایا' جس کے خدام نے' جس کے شاگردوں نے انسانیت کو ثابت کرکے دکھایا کہ انصاف یا معاشی مساوات اگر ہے' تو اس نظام میں ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے دیا تعجب ہے آج نمازی' پرہیزگار' مدرسے چلانے والے شرفاء کہتے ہیں یہ چل ہی نہیں سکتا۔ حالانکہ یہ اس بات پر ووٹ لیتے ہیں کہ اسلام نافذ کریں گے۔ اپنی ذاتی مجلس میں نہرو سے کسی نے کہا تھا کہ اس قوم کے لئے دعا کرنی پڑے گی تو اس نے کہا کہ میں دعا کا قائل نہیں ہوں۔ میں کسی بھگوان وغیرہ کو نہیں مانتا لیکن یہ بات اگر میں باہر کہہ دوں تو میرا سارا سیاسی کیریئر تباہ ہو جائے۔ میں برہمن ہوں اس لئے مجھے لوگوں کے درمیاں برہمن ہی بن کر رہنا پڑتا ہے۔ میں ذاتی طور پر کسی بھگوان وغیرہ کا قائل نہیں ہوں۔ یہ جن سے ہم نفاذ اسلام کی امید رکھتے ہیں یہ پبلیکلی Publically مسلمان ہیں' ذاتی طور پر نہیں' یہ اسلام سے ڈرتے ہیں مسلمان سیاست دان' مسلمان علماء' مسلمان پیر اور مسلمان بادشاہ یہ چار طبقے لڑ رہے ہیں اسلام کے خلاف' ہر وہ مولوی جس کا پیشہ اسلام ہے' ہر وہ پیر جس کا پیشہ پیری ہے' ہر وہ سیاست دان جس کا پیشہ سیاست ہے' ہر وہ شہنشاہ جسے خاندانی حکومت کی لت پڑ گئی ہے یہ چار طبقے لڑ رہے ہیں نفاذ اسلام کے خلاف' ورنہ ماوشما کو نفاذ اسلام سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ہمیں اسلام کچھ دے گا ہم سے چھینے گا کچھ نہیں اس لئے کہ ہمارے حقوق پہلے ہی ان لوگوں نے غصب کر رکھے ہیں ان سے چھین کر عام آدمی کو کچھ دے گا' عام آدمی اس لئے اسلام اسلام کرتا ہے۔ یہ اسلام کے خلاف اس لئے لڑ رہے ہیں کہ یہ اپنے اپنے رنگ میں سارے فرعون ہیں۔ ان فرعونوں کے قدموں کے نیچے انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ ان سے کچھ چھنے گا' ان سیاست دانوں سے' ان حکمرانوں سے' ان بہروپیے پیروں سے' پیشہ ور مولویوں سے بہت کچھ چھن جائے گا۔ انہیں بھی ہمارے ساتھ مزدوری کرنا پڑ جائے گی۔ انہیں بھی ہمارے ساتھ کام پر جانا پڑ جائے گا۔ جب غریب کے گھر کی بتی بجھے گی تو صدارتی محل تک بھی لوڈشیڈنگ کا اثر جائے گا۔ اگر اسلام ہو گا تو بتی صرف دیہات میں نہیں بجھے گی صرف شہر میں نہیں بجھے گی پہلے پرائم منسٹر ہاؤس اور پریذیڈنٹ ہاؤس کی بھی بجھے گی تب سب کی بجھے گی' تو یہ تو ایک پل نہیں رہ سکتے اس کے بغیر۔ اگر جوہڑ کا پانی عام شہری پیتا ہے تو وزیراعظم بھی فرانس سے منگوا کر نہیں پی سکے گا' اسلام نہیں منگوانے دے گا' تو ان سے تو بہت کچھ چھن جائے گا۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جو دس آدمیوں سے ہاتھ ملالیں تو پھر غسل کرکے کپڑے بدلتے ہیں کہ صحت خراب نہ ہو جائے' اتنے لوگوں سے میں نے ہاتھ ملایا ہے۔

تو میرے بھائی! حکمرانوں نے بغاوت اختیار کی اور ان کے پاس حکومت ہے اقتدار ہے' عیش وعشرت ہے میں اور آپ کس بات پر باغی ہیں کم از کم ہم تو اپنی وفائیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ثابت کر جاتے۔ کم از کم ہم اپنی باگ ڈور' اپنی مہار تو شریعت کے تابع کر دیتے اور یاد رکھو! یہ جشن منانے سے حضور ﷺ سے فائدہ نہیں پہنچتا' نعرے لگانے سے کچھ نہیں ہوگا' شور کرنے سے کچھ نہیں ہوگا' حضور اکرم ﷺ سے جو فائدہ ہے وہ یہ ہے کہ بندے کو اللہ کے تابع ہونے کی سعادت حاصل ہو جائے اس عالم صغیر کے شب وروز بھی اس قادر مطلق کی پسند کے تابع آجائیں جو عالم کبیر کو بھی چلا رہا ہے۔ اور

یہ کمال ملتا ہے آقائے نامدار ﷺ کی غلامی سے۔ اگر یہ کمال حاصل نہ ہو' اتباع شریعت حاصل نہ ہو' شریعت کے ساتھ محبت حاصل نہ ہو' شریعت کو سیکھنے کا جذبہ پیدا نہ ہو' اس پر عمل کرنے کی امنگ پیدا نہ ہو تو سمجھ لو ہمیں ذات محمد رسول اللہ ﷺ سے جو ہمیشہ کائنات پر برکتیں نچھاور کرتی رہتی ہے' ہمارے حصے میں کچھ نہیں آرہا' سورج جب نکلتا ہے تو کب کسی سے اپنی کرنوں کو روکتا ہے سارے عالم پر نور بکھیرتا ہے لیکن کتنے جانور' کتنے کیڑے پتنگے جو بلوں میں گھس کر رہتے ہیں انہیں کیا فرق پڑتا ہے کہ سورج نکلا ہوا ہے یا نہیں نکلا' یہی حال انسانوں کا' بنی آدم کا ہے۔ بعثت آقائے نامدار ﷺ سورج سے زیادہ روشن ہے برکات نبوی ﷺ سورج کی کرنوں سے کروڑہا گنا زیادہ منتشر ہو رہی ہیں لیکن ہم اپنی اپنی ذات کے بلوں میں گھس جاتے ہیں۔ ان بلوں سے باہر نکلئے' اپنی پسند اپنی مرضی' اپنی خواہشات کے سوراخوں سے باہر نکلئے' روشنی پر آیئے' سامنے آیئے' سینہ چیر کر رکھیے' محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں اور آپ کو پتہ چل جائے گا انقلاب کیا ہوتا ہے۔ انقلاب نعرے لگانے کا نام نہیں ہے' مزید مظالم ڈھانے کا نام نہیں ہے۔ اگر ایک ظلم کر رہا ہے دوسرا طبقہ اس سے زیادہ ظلم کرنے لگے' کیا یہ انقلاب ہو گا؟ یہ انقلاب نہیں! انقلاب صرف ایک بات کا نام ہے کہ مخلوق سے امیدیں کٹ کر خالق سے وابستہ ہو جائیں۔ خواہشات کی غلامی سے نکل کر احکم الحاکمین کی غلامی نصیب ہو جائے اور ماوشما کی پیروی سے بچ کر محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی نصیب ہو جائے اور یہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس واقعہ میں آدمی ضم ہو جائے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

آخری بات میں آپ سے عرض کرتا چلوں کہ ہم جس انداز سے اسلام پر عمل پیرا ہیں وہ ہے "کچھ لو اور کچھ دو" کچھ حضور ﷺ کی مان لی' کچھ اللہ کی مان لی' کچھ اپنی مرضی چلالی اور یوں ہمارا اسلام چلتا رہتا ہے۔ لیکن یاد رکھو! اسلام سمجھوتوں پر نہیں ہے اگر اسلام میں سمجھوتے ہوتے تو جو بات اہل مکہ نے اپنا بڑا عظیم وفد بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ ہم آپ ﷺ سے جھگڑا نہیں کرتے' ماننے والوں سے جھگڑا نہیں کرتے' جہاں بے شمار مذاہب اور ہیں' ایک مذہب آپ کا بھی سہی' لیکن ہمارے ساتھ ایک بات پر فیصلہ کیجیے' آپ جو کرنا چاہتے ہیں وہ کیے جائیں جو ہم کر رہے ہیں ہمیں کرنے دیں' جو ہم کرتے ہیں اس پر آپ تنقید کرنا چھوڑ دیں اسے غلط کہنا چھوڑ دیں آپ اپنے آپ کو صحیح کہتے رہیں ہمارے والے کو غلط تو نہ کہیں۔ یہ آپ کا درد سر نہیں' یہ تو ہماری بات ہے ہم جانیں ہمارا کام جانے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! "اسلام پر سمجھوتے کرنا یہ میرا کام نہیں ہے میرا کام ہے رب العالمین کا حکم پہنچانا اگر وہ کسی بات کو غلط کہے گا' میں اسے غلط کہوں گا' وہ کسی بات کو صحیح کہے گا میں اسے صحیح کہوں گا' میں اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ آج ہم وہ مذہب چاہتے ہیں جو مکے والوں کا مطالبہ تھا' کہ کچھ باتیں ہم آپ کی مان لیتے ہیں باقی جو ہم اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ یہ بھی صحیح ہے' وہ بھی صحیح ہے' یوں بات نہیں بنے گی' اسلام میں سمجھوتے نہیں ہیں۔ مغرب کی تنقید میں نے پڑھی تھی تو انہیں یہی شکوہ ہے کہ

ISLAM HAS THE MONOPOLY OF THE TRUTH

کہ اسلام' حقیقت پر' سچائی پر' صداقت پر اپنا ہی قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے صرف میں ہی سچا ہوں دوسرے سب غلط ہیں اور یہ واقعی کھری بات ہے۔ اسلام میں یہی بات ہے جو سب کو چبھتی ہے کہ اسلام سمجھوتے نہیں کرتا۔ اسلام کہتا ہے' جو میں کہتا ہوں یہی حق ہے۔ یہ مانو' یہ ہمارے والے اسلام کی طرح سمجھوتے کی گنجائش نہیں رکھتا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بھی ٹھیک ہے' کچھ اپنی خواہشات کچھ اپنی آرزوئیں' کچھ اپنی عادات کی تکمیل بھی ہوتی رہے وقتاً" فوقتاً" نماز بھی پڑھ لی' خیرات بھی کرلی' سجدہ کر لیا اور دینی مدرسہ بنا دیا جس طرح ہمارے وزیر خزانہ صاحب نے چلا رکھا ہے وہ دینی مدرسہ کس کام آئے گا' جب آپ اسلام کو اس کا اہل ہی نہیں سمجھتے کہ یہ دنیا کو معاشی نظام دے سکتا ہے۔ کاش ان لوگوں نے یہی سیکھ لیا ہوتا کہ جو منکرین اسلام ہیں وہ بھی سوچ رہے ہیں کہ وہ معاشی نظام

اپنایا جائے جو اسلام نے دیا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کسی فرد پر یا کسی ذات پر تنقید نہیں کر رہا۔ اپنی قومی قیادت کا ایک نمونہ آپ کو دکھا رہا ہوں اور یہ ہم ہیں جنہوں نے اس قیادت کو منتخب کیا ہے۔ ہم اپنے انتخاب کی بھی داد دیں اور ہم سوچیں کہ ہم کیا منتخب کر رہے ہیں۔ کس کو آگے لا رہے ہیں کس کے پیچھے جا رہے ہیں۔ کس کشتی پر ہم سوار ہونا چاہ رہے ہیں۔ میں نے ولادت کے جشن تو ہمیشہ دیکھے ہیں۔ میں نے بعثت نبوی ﷺ کا کوئی جلسہ نہیں دیکھا یعنی یہ ہمارا مسلمان بعثت کو زیر بحث لاتا ہی نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ولادت کے وقت حضور ﷺ پر شریعت نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اتباع شریعت کی بات اس میں نہیں ہوتی۔ برکات' برکات کی بات ہوتی ہے۔ اگر بعثت کی بات کی جائے تو پھر بات یہ آجاتی ہے کہ حضور ﷺ کس لئے مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے کیا کرنے کا حکم دیا کس کام سے روکا' کبھی آپ نے کوئی بعثت نبوی ﷺ پہ جلوس یا جلسہ دیکھا؟ میں نے تو نہیں دیکھا۔ آپ نے بھی نہیں دیکھا ہو گا۔ یہ قوم اس طرف جاتی ہی نہیں کہ بعثت کی بات ہوگی' بعثت نبوی ﷺ پر جلسہ ہو گا تو پھر نزول قرآن کی بات آئے گی' پھر احکام کی بات آئے گی' ایمانیات کی بات آئے گی' عقائد کی بات' اس دلدل میں نہ پڑو' یار اس لئے ولادت باسعادت کا جشن مناؤ' اس میں حکم اور احکام نہیں ہیں' اس میں صرف برکات کی بات ہے۔

اب یہ دیکھ لیجئے کہ یہ خود فریبی ہے یا خدا فریبی' یہ فیصلہ آپ پر ہے' چونکہ اللہ کو دھوکا دینا ممکن نہیں ہے' خدا فریبی کے پردے میں یہ خود فریبی ہے' ہم اپنے آپ کے ساتھ دھوکا کرتے ہیں اگر ولادت باسعادت کی بات ہو تب بھی شریعت مطہرہ کی اور رسالت محمدی ﷺ کی بات بنیادی طور پر آنی چاہئے اور میرے بھائی! آپ کو دہرانے کی کیا ضرورت ہے اس واقعہ کی تو مثال ہی نہیں ملتی اس کے لئے کوئی ایک مہینہ کوئی سال مختص نہیں ہے یہ پوری دنیا کی جتنی عمر ہے اس میں یہ واقعہ ایک ہی بار ہوا ہے۔

آپ کسی کی شہادت کی بات کرتے ہیں یہ تو روز روز شہادتیں ہوتی ہیں اس لئے اس کی شہادت کی تاریخ آپ کو یاد رکھنا پڑتی ہے۔ کسی کی شادی کی بات کرتے ہیں تو روز روز شادیاں ہوتی ہیں' آپ کو اس کی وہ تاریخ یاد رکھنا پڑتی ہے آپ کسی کی کوئی بہادری کی بات کرتے ہیں تو روز روز واقعات ہوتے ہیں' آپ کو تاریخ یاد رکھنا پڑتی ہے۔ مگر ولادت نبوی ﷺ کی آپ کو تاریخ یاد رکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ پوری دنیا کی عمر میں یہ ہستی ایک بار تشریف لائی ہے۔ کوئی دوسری ہستی یا کوئی دوسرا واقعہ پوری انسانی زندگی میں' انسانی تاریخ میں' دنیا کی پوری زندگی میں دوسرا واقعہ ہی نہیں ہے' آپ کو ایک تاریخ مختص کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے' ہر دن' ہر سال' ہر مہینہ' ہر لحظہ ہر گھڑی جب اس بات کا تذکرہ کرنا چاہو کر سکتے ہو کہ یہ اتنا عظیم واقعہ ہے کہ پوری دنیا کی سوانح پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا کوئی سال' مہینہ' دن مختص نہیں ہے ہر لمحہ اس کی یاد تازہ کی جا سکتی ہے۔ ہر آن اس کو دہرایا جا سکتا ہے اور زندگی کے ہر قدم پر اس کی یاد آسرا بنتی ہے' زندگی کو سہارا دینے کے لئے' اس لئے ہمارا تو ہر شب ہر صبح ہر دن مزین ہے درود نبوی ﷺ سے' صلوٰۃ والسلام نبوی ﷺ سے' ہماری نماز اتباع محمد رسول ﷺ ہے' ہمارا جہاد اتباع محمد رسول اللہ ﷺ ہے ہمارا ایمان اتباع محمد رسول اللہ ﷺ ہے' ہمارا جینا مرنا اتباع محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ یہ کسی ایک لمحے کا محتاج نہیں ہے' یہ مت سمجھو کہ صرف ربیع الاول میں ڈھول ڈھمکے بجا کر بات ختم ہو جائے گی۔ یہ بات تو زندگی پر محیط ہے ہر لمحے ہر آن پر محیط ہے۔ اللہ کریم ہمیں توفیق دے' ہمارے اکابر واصاغر کو توفیق دے' ہم اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھال سکیں جس میں ڈھالنا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد ہے

ذکر قلبی اور شیخ کامل

مولانا محمد اکرم اعوان (سالانہ اجتماع بمقام دارالعرفان' مورخہ 12-7-97)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ یوم یحشر اعدآء اللہ الی النار فھم یوزعون حتی اذا ماجاء وھا شھد علیھم سمعھم وابصارھم وجلودھم بما کانو یعلمون" .... انھم کانو خسرین

اللھم سبحانک لاعلم لنا الا ماعلمتنا انک انت العلیم الحکیم مولائے صلے وسلم دائما ابدا" علی حبیبک

نبی علیہ الصلواۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر پیدا ہونے والے انسان کے ساتھ ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے جو ساری زندگی اس کے ساتھ صرف گمراہ کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ ابلیس الگ ایک ذات ہے' ابلیس کی اولاد ایک الگ طبقہ ہے' ابلیس کے پیروکار "جن" ایک الگ طبقہ ہے ابلیس کے پیروکار انسان ایک الگ طبقہ ہے' اس کے علاوہ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے جو اس کے ساتھ عمر بھر رہتا ہے' عرض کیا گیا ! "یارسول اللہ ﷺ کیا آپ کے ساتھ بھی' فرمایا ہاں ! میرے ساتھ بھی ہے" لیکن جو میرے ساتھ شیطان لگا ہے وہ مسلمان ہو گیا ہے' یہ ارشاد نبوی جو ہے اس کو آپ آیات مبارکہ کی روشنی میں بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ حم سجدہ کی آیات ہیں چوبیسویں پارے کا سترھواں رکوع ہے شروع ہو رہا ہے فرمایا ! یوم یحشر اعدآء اللہ الی النار فھم یوزعون جس دن اللہ کے دشمنوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا تو فھم یوزعون اور ان کی درجہ بندی کی جائے گی' کون کس درجے کا ہے' خالق اور مخلوق کے درمیان دشمنی کا کیا کام' اللہ کے دشمن کیوں کہا گیا جبکہ اللہ خالق ہے اور بندہ مخلوق ہے محتاج ہے' پیدا ہونے سے لے کر اپنے تمام اوصاف میں' اپنے زندہ رہنے میں' اپنے وجود کی بقا میں' موت میں بھی محتاج ہے۔

صحت میں محتاج ہے' بیماری میں محتاج ہے' ہر کام میں ہر آن محتاج ہے اللہ جل شانہ نے ان بندوں کو جو اس پر ایمان لائے اور جنھوں نے اس کی اطاعت اختیار کی اپنے دوست کہا ہے' اللہ ولی الذین امنوا اللہ دوست ہے ہر اس بندے کا جسے نور ایمان ملا' یہ ولایت عامہ ہے' جو ہر مسلمان کو نصیب ہے اب دوستی سے جو محروم ہے' جو دوست نہیں ہے وہ دشمن ہو گا درمیان میں کوئی طبقہ نہیں رکھا گیا' ہمارے جو مراسم ہیں دنیا میں' اس میں کچھ ہمارے دوست ہیں کچھ ہمارے دشمن ہیں کچھ ایسے ہیں جن کے ساتھ ہمارا کوئی لین دین نہیں ہے' کوئی تعلق نہیں نہ دوستی کا' نہ دشمنی کا لیکن اللہ کی جو مخلوق ہر لحظہ ہر آن اس کی نعمتوں سے مستفید ہو رہی ہے۔ اگر وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتی ہے اور اطلاعت اختیار کرتی ہے تو وہ دوست ہے۔ اگر ایسا نہیں کرتی اور ناشکری کرتی ہے تو پھر وہ دشمن کہلائے گی۔ درمیان میں کوئی جگہ نہیں بچے گی کیونکہ مخلوق میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کا اللہ سے کوئی تعلق نہ ہو وہ اس کی نعمتیں نہ کھا رہا ہو' اس کی کائنات میں نہ رہ رہا ہو اس کے دیئے ہوئے اوصاف' اس کی دی ہوئی طاقت استعمال نہ کر رہا ہو۔ سمع بصارت ذہن' عقل' زبان گویائی تمام اوصاف' سورج' چاند' ہوا' پانی' خوراک' غذا دوا ہر چیز استعمال کر رہا ہے۔ چونکہ ہر بندے کا براہ راست مالک کے ساتھ تعلق ہے اس لئے درمیانی طبقہ یا لاتعلق طبقہ کوئی نہیں' یا دوست' اگر دوست نہیں ہے تو پھر دشمن اللہ کریم کی دشمنی بندہ صرف یہ کر سکتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت اختیار نہ کرے اور شیطان کے نقش قدم پر چلنے لگے' اس لئے فرمایا ! جس دن اللہ کے دشمنوں کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا جمع کر کے اور ان کی درجہ بندی کی جائے گی تو جب وہ دوزخ کے دروازے پر پہنچیں گے تو پھر بھی چلائیں گے کہ بارالٰہی یہ آپ کے فرشتوں نے پتہ نہیں کیا لکھا ہم نے تو انہیں دیکھا بھی نہیں تھا یہ جو کچھ

انہوں نے لکھا ہے یہ ہمیں تو یاد نہیں ہم نے کہا ہو' کب کیا' کب ہم نے ایسا کہا' کب ہم اس جگہ گئے کب ہم نے یہ گناہ کیا' یہ پتہ نہیں کہاں بیٹھ کر لکھتے رہے ہے اور ان کی اس تحریر سے آپ ہمیں دوزخ میں پھینک رہے ہیں' ہم تو آپ کو مانتے ہیں ہم تو آپ کی عظمت کے قائل ہیں ہم نے تو ایسا کوئی نہیں کیا تو فرمایا ! انہیں وہاں کھڑا کر دیا جائے گا' حتی اذا ماجاء وھا جب دوزخ کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں تو روک دیا جائے گا کہ چلو فرشتوں کی شہادت کافی نہیں ہے۔ "شھد علیھم سمعھم وابصارھم وجلودھم بما کانو یعلمون" حکم ہو گا کہ تمہارے گھر کے تمہارے گواہ پیدا کرتے ہیں۔ ان کے کانوں سے پوچھا جائے گا ان کی آنکھوں سے پوچھا جائے گا' ان کے وجود کی کھال سے پوچھا جائے گا کہ بتاؤ اس شخص کا کردار کیا تھا' خود دماغ سے پوچھ لیں گے کہ کیا سوچتا تھا' کہاں استعمال کرتا تھا' کان سے پوچھ لیں گے کہ تم سے کیا سنتا تھا' میری باتیں سنتا تھا' میرے نبی کی باتیں سنتا تھا' جھوٹ سنتا تھا' فریب سنتا تھا' گانے بجانے سنتا تھا' کیا سنتا تھا خواہشات سنتا تھا' فواکہات سنتا تھا یا تسبیحات سنتا تھا' کیا سنتا تھا' تم بتاؤ آنکھوں سے سوال ہو گا' تم بتاؤ کسے تلاش کرتا تھا کائنات میں' میرے بندوں کو' میری اطاعت کو' میرے قرب کو یا دنیاوی عیش وعشرت کو' یا جان ومال کو' "یا" حکومت کو' یا نیکی کی تلاش کرتا تھا یا برائی کی طرف لپکتا تھا' کس کس طرح استعمال کرتا رہا۔ حتی کہ پوری کھال کو حکم ہو گا وجلودھم پوری جلد کو حکم ہو گا کہ تم بتاؤ' آج کون نہیں بتائے گا' نہ صرف زبان بلکہ کان' آنکھیں بتائیں گی' وجود کا ذرہ ذرہ بتائے گا کہ اس نے یہ کیا' اس نے یہ دیکھا' اس وقت وہ لوگ کہیں گے۔ وقالو لجلودھم وہ اپنے اعضاء وجوارح سے کہیں گے' ظالمو تمہیں بھی جہنم میں جلنا پڑے گا' تم کس بات کی گواہی دے رہے ہو' یہ نہیں ہے کہ بدن بچ جائے گا اور روح جہنم میں پھینکی جائے گی تم بھی تو میرے ساتھ گر رہے ہو' تم کیوں بولتے ہو' لم شھدتم' تم کیوں گواہ بن گئے۔ قالو آ انطقنا اللہ الذی انطق کل شئی ء' ہمیں اس رب قدیر نے گویا کر دیا جس نے ہر بولنے والے کو گویائی دی' اور آج وہ دن نہیں ہے کہ ہم اپنی مرضی سے بول سکیں' وہ دار دنیا میں اختیار دیا گیا تھا کہ قوت گویائی دی گئی' اب تم سچ بولو یا جھوٹ بولو' ایک مقررہ وقت تک اس قوت گویائی کو استعمال کر سکتے ہو۔ وہ وعدہ کہاں رہ گیا' یہاں جب اس نے قوت گویائی دی ہے تو وہی کچھ بولا جائے گا جو حق ہے۔ آج انصاف کا دن ہے حق کا دن ہے' آج جھوٹ نہیں بولا جائے گا' اس لئے ہم مجبور ہیں خواہ تمہارے ساتھ جلنا پڑے' تباہ ہونا پڑے ہم جھوٹ نہیں بول سکتے اور چپ بھی نہیں رہ سکتے تم ہی خیال کر لیتے کہ وھو خلقکم اول مرۃ کہ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا وہ دوبارہ بھی کر سکتا ہے۔

تم ہی یہ سوچ لیتے کہ زندگی کا کوئی مقصد بھی ہے کوئی انجام بھی ہے' کہیں تمہیں پہنچنا بھی ہے' کوئی منزل بھی ہے' کہیں لوٹ کر بھی جانا ہے' اگر تم نے یہ سب کچھ نہیں سوچا تو آج ہم اس سے کیسے انکار کر سکتے ہیں' جب تم گناہ کرتے تھے' لوگوں سے چھپتے تھے' دنیا سے چھپتے تھے وماکنتم تستترون ان یشھد علیکم سمعکم ولاابصارکم ولا جلودکم اپنے کان وزبان' اپنی کھال' اپنے اعضاء وجوارح سے تو تم پردہ نہیں کر سکتے تھے' تمہیں تو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ تمہارے وجود کا ایک ایک ذرہ بھی کسی کی مخلوق ہے وہ بھی اسی کے آگے جواب دہ ہے' اس کے ساتھ اس کا تعلق ہے' ولکن ظننتم ان اللہ لایعلم کثیرا مما تعملون: تمہیں خیال یہ ہوتا تھا کہ یہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی اللہ کو کیا خبر ہے' جب ہم لوگوں سے چھپ کر گناہ کر لیتے ہیں تو اس کا معنی یہی ہے کہ ہمارے کہیں لاشعور میں' تحت الشعور میں یہ بات ہے کہ لوگوں سے چھپ کر کر لیا جائے' پھر کوئی نہیں پوچھنے والا کوئی نہیں جانتا' آپ نے اکثر دیکھا ہو گا مسلمانوں میں ایک گناہ بڑا عام ہے کہ کوئی کام خلاف شریعت کر لیں گے' عموماً طلاق کے مسئلے میں تو سارے ہی کر گزرتے ہیں ذرا سی بات پر لڑے اور بیوی کو طلاق دے دی' اب بیوی کے بغیر گزارہ نہیں ہے اور کوئی دینے کو بھی نہیں تیار' پھر اسی کو لانا ہے اور جانتے ہیں کہ میں نے طلاق دی

تھی اور یا پھر بیان تبدیل کریں گے یا کسی پیشہ ور مولوی کو پیسے دیں گے وہ سمجھائے گا کہ اس طرح کہو' میں نے تو ایسے نہیں کہا تھا' ایسے کہا تھا تو پھر اس کے فتوے منگوائیں گے' مجھے یہاں ایک مقدمہ معلوم ہے ہمارے ایک دوست ہوا کرتے تھے مولوی صاحب' آج کل پنڈی میں ہوتے ہیں ان کے پاس انہی کے گاؤں کا ایک آدمی فتوی لینے گیا' وہ کہنے لگے میں تو فتوی نہیں دے سکتا مجھے تو پتہ ہے تم نے کیا کہا تم اس طرح سے بیان دو کہ میں نے یوں نہیں کہا' یوں کہا ہے' تمہارا وہ بیان لکھ کر میں سیال شریف بھیجتا ہوں' اس نے لکھ کر وہاں بھیجا انہوں نے جواز کا فتوی دے دیا' اس بیان کا جو انہوں نے دینا تھا گاؤں کے لوگوں کو' اپنے عہد کے بندوں کو' لیکن اللہ تو جانتا ہے یہ جو فتوے لئے جاتے ہیں اس لئے نہیں کہ آخرت کو حساب دینا ہے۔ بلکہ سارے فتوے جواز کے لئے لئے جاتے ہیں' میرے پاس میز پر ڈاک رکھی ہے میں نے وہ خط پڑھا تھا میں نے رکھا تھا ریکارڈ کے لئے' کرنل صاحب کو دے دیں گے' مجھے دینا یاد نہیں رہا' تو ایک آدمی کے خاتون کے ساتھ تعلقات تھے اب وہ اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے مولوی نہیں مانتے' مولویوں سے پوچھا گیا کہ ماں کے ساتھ اس کا تعلق تھا بیٹی سے شادی کر سکتا ہے تو وہ نہیں مانتے' پھر اس نے نیچے یہ دلیل لکھی ہے کہ آپ اچھے آدمی ہیں آپ ضرور کوئی راستہ نکالیں' دیکھیں نا آج کل رشتہ لینے کا طریقہ ہی یہی ہے۔ کہ کسی عورت کو کھلایا پلایا جائے پھر اس کے ساتھ ناجائز تعلق قائم کیا جائے پھر وہ مجبور ہو جاتی ہے اس سے رشتہ مانگ لیا جائے۔

اب کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس آدمی میں کہیں یہ تصور بھی ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے' یعنی اب وہ یہ چاہتا ہے کہ کوئی یہ مجھے کہہ دے کہ یہ ٹھیک ہے چلنے دو چلتا رہے' یہ کردار ہے جسے زیر بحث لایا جا رہا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ اللہ کو کیا خبر' ورنہ زبانی تو کوئی بھی نہیں کہتا کہ اللہ کو کیا خبر' آپ کو کوئی ایسا بندہ نہیں ملے گا جو زبانی کہے کہ جی اللہ کو کوئی پتہ نہیں ہوتا' لیکن جب ہم عمل کرتے ہیں تو ہمارا عمل یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے لاشعور میں یا تحت الشعور میں یہ بات ہے کہ لوگوں سے بات چھپا لو' اللہ کا کیا ہے یہ دیکھا جائے گا اس کے باوجود ہمارا دعوی مسلمانی بھی قائم ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ' ولکن ظننتم ان اللہ لایعلم کثیرا مما تعملون' تمہارا تو خیال تھا کہ تمہارے بہت سے کرتوت کی اللہ کو خبر ہی کہاں ہے وذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم' تمہارا یہ گمان جو تم نے اپنے پروردگار سے رکھا ہے تمہارا یہ خیال جو تمہیں اپنے پروردگار کے بارے میں تھا یعنی کیسے عجیب لوگ ہیں یہاں اللہ نے اپنی صفت ربوبیت استعمال فرمائی ظننتم بربکم اب وہ ہوتا ہے جو اس مربوب کی ہر لمحے کی ہر ضرورت پوری کر رہا ہو' اس کے ایک ایک لمحہ سے باخبر ہو تب ہی اس کی ضرورتیں پوری کرے گا۔ تو فرمایا جس کی دی ہوئی طاقت سے تم سانس لے رہے ہو آنکھ جھپک رہے ہو بات کر رہے ہو ہر لمحہ اس کی دی ہوئی قوت استعمال کر رہے ہو اسی کے بارے میں سوچتے ہو کہ اس کو تمہارا پتہ نہیں ہے تمہارا پتہ نہ ہوتا تو تمہارا پروردگار کیسے کہلاتا' تمہارا رب کہلانے کا مستحق کیسے ہوتا' ہر بار تمہارے اس گمان نے تمہیں تباہ کر دیا' فاصبحتم من الخسرین اور جب صبح ہوئی تو سمجھ آئی کہ ہم تو بڑے خطا کار ہیں' یہ جو آپ زندگی کی شام کہتے ہیں اسے صبح کہہ رہا ہے کہ یہ طویل عہد جب ختم ہوا جب ہر چیز روشن ہوئی فاصبحتم من الخسرین عربی کا ویسے ایک محاورہ ہے کہ انجام کار یہ ہوا' لیکن اگر اس کی لفظی تعبیر بھی لی جائے تو جسے ہم موت یا خاتمہ یا تاریکی یا رات کہتے ہیں اسے وہ صبح کہہ رہا ہے قرآن حکیم کی ہر چیز روشن ہو گئی واضح ہو گئی برزخ سامنے آگیا گناہ ثواب کا پتہ چل گیا' فرشتے نظر آنے لگے' حساب کتاب روبرو ہو گیا' جہنم جنت کی کھڑکی کھول کر اللہ نے دکھلا دی یہ حقیقت ہے دیکھ لے' فاصبحتم صبح ہو گئی تو سمجھ آئی کہ جناب پلے کچھ بھی نہیں' اب زندگی بیت چکی' وقت گزر چکا' اب اگر تم صبر بھی کرو تو بھی رہنا پڑے گا تمہیں' صبر بھی کرنا تھا تو تب کرنا تھا جب تم مکلف تھے' گناہ سے اللہ کی نافرمانی سے رکنا اصل صبر ہے صبر کا لفظی معنی بنتا ہے بال کھینچنا جس طرح سوار گھوڑے کو یا سواری کو کھینچ کر روکتا ہے تو اگر روکنا تھا تو نفس کو روکا ہوتا' اللہ کی نافرمانی

ہے' صبر کا موقع تو وہ تھا' اب تم کہتے ہو کہ دوزخ میں جلانے پر صبر کریں' کوئی فرق نہیں پڑتا صبر کرو فالنار مثوی لھم' صبر کرو تو بھی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہی ہے' وان یستعتبوا اور اگر شور بھی کریں' چیخ وپکار بھی کریں' اور بڑا شوروغل بھی کریں' فماھم من المعتبین' کہ کوئی ان کی فریاد سننے والا نہیں ہے شور کرو یا صبر کرو تھک کر چپ کر جائیں گے' گھبرا کر چیخیں گے' لیکن کوئی اثر اس کا نہیں ہو گا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا' اب بات وہ آخر پتے کی یہاں آتی ہے کہ یہ ایسا کیوں کیا آخر انسان ہے' اسے عقل دی گئی اسے شعور دیا گیا اسے انسانی فکر دی گئی' تعلیمات نبوی اس کے سامنے تھیں' اللہ کا فرمان اس کے سامنے تھا' اللہ کے بندے اس کے ساتھ تھے' اس سارے ماحول میں اس نے خود کو کیوں الگ کر لیا اور کیوں تباہی کے راستے پر چل پڑا' ارشاد ہوتا ہے جب کوئی ہمیں چھوڑتا ہے تو ہم اس کی سزا دیتے ہیں وقیضنا لھم قرناء ہم اسے ایک ہم نشیں عطا کر دیتے ہیں' شیطان اس کے ساتھ مقرر کر دیتے ہیں' باندھ دیتے ہیں اس کے ساتھ لگا دیتے ہیں پکا پکا' فزینوا لھم مابین ایدیھم وماخلفھم اور جو برائی یہ کرتا ہے وہ شیطان اس کے اندر سے فتوے دیتا ہے شاباش! تم نے بہت اچھا کیا ڈاکہ ڈالتا ہے وہ کہتا ہے تم بڑے جوان مرد ہو' قتل کرتا ہے' وہ کہتا ہے تم بڑے دلیر ہو' وہ بدکاری کرتا ہے وہ کہتا ہے تم بڑے عیار ہو' لوگوں کا پیسہ کھا جاتا ہے وہ کہتا ہے تم بڑے ہوشیار ہو' کسی کو پکڑائی نہیں دیتے' وہ اسے شاباش شاباش کرتا رہتا ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ بڑا کمال ہے' اور وہ اس پر فخر کرتا رہتا ہے آپ اپنے ارگرد اگر دیکھیں تو آپ کو بے شمار لوگ نظر آئیں گے جو زنا پر فخر کرتے ہیں' یہ وہ بات ہے جو کوئی شیطان سکھاتا ہے بندے کو' اپنے اندر کے فتوے آتے ہیں۔

وحق علیھم القول فی امم قد خلت من
قبلھم من الجن والانس انھم کانوا خسرین

بس وہی فیصلہ ان پر صادر آیا جو ان سے پہلے جن وانس پر صادر آیا تھا جنھوں نے گمراہی اختیار کی اور اس شیطان کو ہم نشیں بنایا اور وہ خسارے میں رہے' اب یہ ایسی باریک بات ہے کہ انسان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے اس کا ادراک کرنا یہ ایسی عجیب بات ہے کہ انسان گناہ کے جواز تلاش کرتا ہے برائی کے لئے جواز تراشتا رہتا ہے لیکن ایسا صرف اس وقت ہوتا ہے جب بندہ اللہ کو بھولتا ہے اور اللہ سے دور ہوتا ہے اگر اللہ کی یاد میں نہ بھولے' اس کی ذات کو فراموش نہ کرے' اس کے نام کو فراموش نہ کرے' اس کا نام لیتا رہے تو وہ ایسا کریم ہے کہ اپنے نام کو اور شیطان کو ایک جگہ جمع نہیں ہونے دیتا' نبی ﷺ کا ارشاد ہے "کہ شیطان دل کے پاس بیٹھا رہتا ہے اور اپنا سونڈھ دل میں گھسیڑتا ہے بات ڈالنے کے لئے" اگر تو دل ذاکر ہو اللہ کا نور ہو اس میں' اللہ اللہ ہو رہی ہو تو پھر وہ اس کا سونڈھ جلتا ہے پھر وہ واپس کھینچ لیتا ہے اور اگر غافل ہو تو پھر وہ وہاں اپنی بات انجیکٹ کر دیتا ہے' اپنی بات وہاں پہنچا دیتا ہے" قرآن حکیم نے جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ ذکر الٰہی ہے کس طریقے سے کرو' کیسے کرو' اس پر نہیں' اس پر زور دیا ہے کہ ذکر کرو اور ہرحال میں کرو' یہی کمال تھا نبی ﷺ کا کہ جو چیز بھی' انسان تو انسان جو چیز بھی آپ سے مس کر گئی یا آپ ﷺ کی نگاہ میں آ گئی وہ ذاکر ہو گئی وہ ہوا تھی' فضا تھی' وہ ستارے تھے' وہ ذرے تھے' وہ زمین تھی' وہ لباس تھا جو حضور ﷺ نے پہنا' وہ جوتا جو حضور ﷺ نے پہنا' وہ عصا جو حضور ﷺ کے ہاتھ میں آیا' وہ زرہ جو حضور ﷺ نے پہنی' وہ تلوار جو آپ کے ہاتھ میں تھی' وہ سواری جس پر آپ ﷺ نے سواری فرمائی' ہر ایک کا ایک ایک ذرہ ذاکر تھا' مسجد نبوی کا ستون تھا کھجور کا' حنانہ نام تھا اس کا' نبی علیہ الصلواۃ والسلام کی سواریوں کے نام تھے' تلواروں کے نام تھے' مسجد نبوی کے ستونوں کے نام تھے' تو کسی صحابی نے باہر کہیں کسی دوسری مملکت میں بادشاہ کا تخت دیکھا اس نے آ کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اس طرح سے بیٹھ کر وہ قوم سے بات کر رہا تھا اور اس میں میں نے سمجھا بڑی سہولت ہے آپ ﷺ کی عمر مبارک بھی ڈھل رہی تھی کھڑا ہونے میں دشواری محسوس ہوتی تھی آپ

نے پسند فرمایا تو یہ تین سیڑھیوں کا منبر بنا دیا گیا اس سے پہلے جب حضور ﷺ کھڑے ہوتے تھے خطبہ دینے کے لئے چونکہ حضور ﷺ کھڑے ہونے میں تھوڑی سی دقت محسوس کرتے تھے تو اس ستون کے ساتھ آپ ﷺ جس کا نام حنانہ تھا اس سے ٹیک لگا لیا کرتے تھے بخاری شریف میں موجود ہے کہ پہلی مرتبہ جب حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو حنانہ کی چیخیں نکل گئیں' ایک خشک لکڑی جو مدتوں سے کٹ کر ستون بن چکی تھی' جسد اطہر ﷺ کے ساتھ وجود اطہر ﷺ کے ساتھ مس رہی تو اس میں نہ صرف شعور آگیا بلکہ اسے محبت کرنا بھی آگیا' اس میں بھی عشق کے جذبات پیدا ہو گئے' اسے بھی ہجر وصال کا ادراک ہو گیا' اسے بھی دوری اور نزدیکی کی سمجھ آنے لگی اور وہ اتنا برداشت نہ کر سکی کہ یہاں وہ ستون کھڑا ہے اور اس کے ساتھ ہی منبر پر حضور ﷺ تشریف فرما ہیں تو بالشت بھر کا فاصلہ اس سے برداشت نہ ہوا' اور بخاری شریف میں موجود ہے کہ صحابہ کی کثیر تعداد جو اس وقت مسجد میں موجود تھی روایت کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا دلاسہ دیا کہ ایک دم سے وہ چپ نہیں کر گیا' بلکہ جس طرح سے کوئی بچہ روتے روتے چپ کرتا ہے ڈسکورے لیتے لیتے خاموش ہوتا ہے' اس طرح سے وہ اس کی چیخیں تھمتے تھمتے تھمیں اور ڈسکورے لیتے لیتے وہ چپ ہوا۔ یہ تفصیل بخاری شریف میں دی گئی ہے۔

اگر نبی علیہ والصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مادی جسمانی رشتہ بھی ہو اور بدن متعلق ہو جائے بدن رسول ﷺ سے مس ہو جائے تو اتنا کمال پیدا ہوتا ہے کہ خشک لکڑی میں بھی عشق رسول ﷺ اور عشق الٰہی ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے' اگر کسی کو روح اطہر سے اپنی روح کو پیوست کرنا نصیب ہو جائے اس کا نتیجہ کیا ہونا چاہیے۔

جو شیطان مسلط کئے جاتے ہیں ان سے بچنے کا صرف ایک نسخہ ہے' "ذکر" صرف یہ ایک نسخہ ہے اسی لئے اس کے حصول کا جو راستہ ہے وہ ہے قلب کا تزکیہ' دل کی صفائی اور حضور ﷺ نے فرمایا' لکل شئی ثقالت وثقالت القلوب ذکر اللہ ہر شے کی پالش ہے' دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے اور عجیب بات ہے یہ اللہ کریم کے احسانات میں سے ایک احسان عظیم ہے۔ جس طرح ارشاد ہوا' لقدمن اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسول من انفسھم اللہ کا بہت بڑا احسان مومنوں پر یہ ہے کہ ان پر اس نے اپنا رسول مبعوث فرمایا' بے شمار احسانات میں سے یہ ایک بہت بڑا احسان ہے اسی طرح کسی کو ایسا شیخ نصیب ہو جائے تو جو واقعی برکات نبوی بھی بانٹتا ہو اور واقعی دل ذاکر ہو جائے' واقعی دل میں نور آجائے' واقعی ذکر قلبی نصیب ہو جائے تو یہ وہ احسان ہے جس کی مثال کوئی دوسری نہیں ملتی' یہ بھی اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اب یہ الگ بات ہے کہ ہم اتنے دور جا چکے ہیں' ہم اتنے گمراہی کی بیماری کے مریض ہو چکے ہیں کہ جس دوا کا ایک قطرہ شفا کا کام کرتا تھا' ہمارے لئے اس کی بوتلوں کی بوتلیں انڈیل لو ہم مرنے سے تو بچ جاتے ہیں' لیکن اٹھ کر چل نہیں سکتے' ہم سے تو گناہ ہی ہوتے ہیں نیکی نہیں ہوتی' خطائیں ہی ہوتی ہیں لیکن یہ یاد رکھو کہ اگر ذکر کر کے بھی ہم گناہ کرتے ہیں اور ذکر نہ کرتے تو ہم کہاں ہوتے' یعنی جو بیمار دوائی کھا کر بھی سو فیصد تندرست نہیں ہے مریض ہے اگر اس کی دوا بھی بند کر دی جائے تو وہ تو مر چکا ہوتا۔ پھر تو ایمان بھی جا چکا ہوتا اب تو کردار پر رونا ہے' اعمال پر رونا ہے' لیکن اگر سلسلے کی برکات بھی نصیب نہ ہوتیں' شیخ نصیب نہ ہوتا' اللہ کریم کروڑوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے ان کی قبر پر بھی ان کی ذات پر بھی اگر یہ نعمت نصیب نہ ہوتی تو یہ کسی نے کہا تھا ناں کہ

زندگی آپ کی عنایت ہے
ورنہ ہم لوگ مر گئے ہوتے

تو پھر تو بات ہی ختم' تو ہماری جدوجہد ایسی نہیں ہے کہ موجودہ سیاسی جماعتوں کی طرح یا مذہبی جماعتوں کی طرح کسی فرقے کی طرح ہم نے بھی کوئی فرقہ بنا لیا یا اس سے ہم نے فنڈ جنریٹ کرنے ہیں یا اس سے ہم نے کسی الف ب ج کی حکومت ہٹانی

ہے' اور کسی دوسرے کی حکومت لانی ہے' ایسی کوئی بات نہیں اصل بات یہ ہے کہ ہمیں وہ درد چاہئے جو پتھروں کو نصیب ہوا سوکھے ٹنے کو نصیب ہوا' جیسے حنانہ کو نصیب ہوا' اس کا کوئی شمہ ہمیں بھی نصیب ہو جائے تو باقی زندگی کے سارے امور وہ سیاسیات ہوں' یا معاشیات ہوں یا علم یا قانون ہو یا ادب ہو یا عدل وانصاف ہو وہ ساری باتیں زندگی کے کردار میں آجاتی ہیں اور پھر ہر بات میں دیکھنا پڑتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی رضا کس طرح ہے' وہ ساری باتیں مجبوری بن جاتی ہیں ضرورت بن جاتی ہیں' وہ کام کرنے پڑتے ہیں' میدان کارزار میں اترنا پڑتا ہے' ہجرتیں کرنا پڑتی ہیں گھر بسانے پڑتے ہیں شریعت کے مطابق۔ یہ توفیق تب نصیب ہوتی ہے جب بنیادی تعلق استوار ہو جائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اگر یہ تعلق نہ ہو تو جہاد بھی نام کا جہاد ہوتا ہے ورنہ حقیقتاً فساد ہی ہوتا ہے' قتل وغارت گری ہوتی ہے آپ کیا سمجھتے ہیں یہ جو لوگ' مذہبی جماعتیں' ایک دوسرے کو قتل کر رہی ہیں یہ جہاد ہے؟ ایک دہشت گردی ہے' قتل وغارت گری ہے' یہ کوئی جہاد نہیں ہے جہاد ہوتا ہے برائی کو ختم کرنے کے لئے' یہ دہشت گردی تو قتل وغارت کو بڑھا رہی ہے' یہ کیسا جہاد ہے جو امن کو تباہ کر رہا ہے اور فساد کو بڑھا رہا ہے اگر معیت رسول ﷺ نصیب ہو جائے تو جہاد کی حقیقی روح نصیب ہوتی ہے عمل کی حقیقی روح نصیب ہوتی ہے نماز میں جان محسوس ہوتی ہے' اعضاء وجوارح میں خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے گناہ کی طرف بڑھنے سے ہاتھ لرزتے ہیں ہاتھ پاؤں کانپتے ہیں' گناہ سوچنے سے دماغ ڈرتا ہے' دل میں خشیت آتی ہے اور خدانخواستہ اگر معیت رسالت ﷺ سے آدمی محروم ہے تو شیطان کی زد میں آجاتا ہے کتنا بھاگے گا کتنا مقابلہ کرے گا' جب دنیا اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ اس کے سامنے موجود ہو' مادی نگاہوں اور مادی عقل کے ساتھ ان مادی نعمتوں کے متعلق سوچتا ہو' اور ورغلانے والا بھی موجود ہو تو یہ کہاں کہاں سے بچے گا' کیسے بچے گا' یہ صرف اور صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہمیں معیت رسول ﷺ نصیب ہو' دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے اور اس نعمت کی عظمت کو سمجھنے کا احساس بھی دے' آمین

سوال وجواب

بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث اور عربی لغت میں اللہ کا تلفظ اللہ تو ہے مگر اللہ ہو نہیں ہے یہ ان کی زیادتی ہے اللہ کی طرف یہ جو "ہو" ہے یہ اسم اشارہ ہے اور قرآن حکیم میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے ھو اللہ الذی اس میں دو دفعہ "ہو" کیا جس سے مراد اللہ کی ذات ہے اور جب "اللہ ھو" عربی میں کہا جاتا ہے تو یہ پورا جملہ بن جاتا ہے "کہ وہی ہے اللہ" تو دوسری بات یہ ہے کہ جو اعتر ں کرتے ہیں' آپ انہیں کہیں کہ آپ یہ گناہ کرکے دیکھیں اور بھی تو بے شمار غلطیاں کرتے ہو' کچھ دن اللہ ہو کرکے بھی دیکھ لو' غلطی ہی سہی' آخر ہے تو اللہ کا نام اور اللہ ہو جملہ تام ہے' وہی ہے اللہ۔ اگر اس میں کوئی کمی یا اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو سلف صالحین سے لے کر اتنا لمبا اہل اللہ کا سلسلہ ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ' دنیا کے بڑے بڑے عظیم نام جو سورج کی طرح روشن ہیں تاریخ انسانی میں وہ سارے اسی اللہ ہو کا ذکر کرتے تھے یہ چھوٹے چھوٹے اعتراضات ہوتے ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے' یہ اعتراض جو ہوتا ہے یہ یاد رکھیئے کہ سوال جہالت کی قسم ہے اور جہالت کہیں سے سیکھنی نہیں پڑتی وہبی طور پر ہر آدمی جاہل پیدا ہوتا ہے علم حاصل کرنا پڑتا ہے' سوال اور اعتراضات جہالت سے پیدا ہوتے ہیں' اللہ کا نام ہے' اسم ذات ہے' اگر کوئی چاہتا ہے' پڑھنا چاہتا ہے تو ہمارے ساتھ نہ سہی اپنے طور پر اللہ اللہ کرکے دیکھ لے' وہ اللہ ہو نہیں کرنا چاہتا تو اللہ اللہ تو کرے' جب کچھ بھی نہیں کرتا تو پھر اعتراض کرتا ہے' اس کی کیا حیثیت ہے۔

قرآن حکیم سے راہنمائی

مولانا محمد اکرم اعوان (سالانہ اجتماع بمقام دار العرفان، مورخہ 97-8-1)

اتل ما اوحی الیک من الکتب واقم الصلوۃ ط ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ط ولذکر اللہ اکبر ط واللہ یعلم ما تصنعون ○

سورۃ العنکبوت ہے، اکیسواں پارہ اسی آیہ مبارکہ سے شروع ہو رہا ہے۔ ارشاد فرمایا نبی علیہ الصلواۃ والسلام کو مخاطب فرماتے ہوئے کہ آپ کی طرف جو کتاب عظیم نازل فرمائی گئی ہے بذریعہ وحی، اسے پڑھا کریں۔ زندگی کی امور زندگی کی، ہر شعبہ زندگی کی بنیاد فراہم کر دی گئی اور جب خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہو تو مراد یہ ہے کہ استثناء کسی کو بھی نہیں، ہر بندہ مومن کو ہر ایمان والے کو، ہر مسلمان کو، کتاب حکیم سے راہنمائی حاصل کرنا ہے اور عبادات یا تعمیل ارشاد باری اس خلوص کے ساتھ، جو مقصود ہے اور اس طریقے سے جو مسنون ہے اور اس انداز سے جو مطلوب ہے، پوری تندہی سے کریں اس لئے کہ اطاعت الٰہی کا خاصہ یہ ہے کہ فواحشات سے، منکرات سے روک لیتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی نعمت ہے یاد رکھیں جو کچھ بھی تم لوگ کرتے ہو۔ اللہ جل شانہ، ذاتی طور پر اسے جانتا ہے۔ یہی وہ بنیادی اصول ہے جس کی بنیاد پر اسلامی ریاستیں بنتی ہیں، اسلامی ریاست کا تصور ہی یہ ہے کہ ایک ایسا خطہ زمین جس کے امور، احکام الٰہی کے مطابق انجام پائیں، جس کی سیاست، معیشت، عدالت، تعلیم و تربیت ہر ہر ادا میں بنیاد تعلق باللہ ہو، مقصود اطاعت الٰہی ہو، مقصود احقاق حق ہو، ظلم و جور، فسق و فجور، برائی بے حیائی کو روکنا مقصد ہو۔ اور نیکی عدل، انصاف بھلائی کے لئے محض بہانہ مقصود ہو۔ اگر یہ تصور درمیان میں سے نکال دیا جائے یا عملاً" اس کی نفی کر دی جائے تو وہ مسلمانوں کی ریاست تو کہلا سکتی ہے، اسلامی ریاست نہیں کہلائے گی۔ ہم نام رکھنے کو تو اسلامی ریاست کہہ دیتے ہیں۔ لیکن ایسی ریاست جس میں نہ عدالت اسلام کے مطابق ہو، نہ کفالت اسلام کے مطابق ہو اور نہ حفاظت اسلام کے مطابق ہو، وہ ریاست اسلامی نہیں ہوتی۔ اس کے بسنے والے مسلمان ہوں، اس کے حکمران مسلمان ہوں، اس کے کرتا دھرتا مسلمان ہوں تو اسے مسلمانوں کی ریاست تو آپ کہہ سکتے ہیں لیکن اسلام کی نہیں، وطن عزیز کی تقسیم کا جو بنیادی فلسفہ تھا وہ بھی یہی تھا، جو تاریخی جملے ہیں آج بھی بڑے بڑے شہروں کی دیواروں پہ لکھا ہوتا ہے۔ پاکستان کا مطلب کیا۔ لاالہ الااللہ جس مقصد کو لیکر برصغیر کے مسلمانوں نے تاریخی قربانیاں دی تھیں وہ مقصد جاگیریں بنانا، یا عہدے حاصل کرنا یا شہرت حاصل کرنا یا اقتدار حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ وہ مقصد تھا کہ مدینہ منورہ کی طرز پر ایک ریاست تعمیر کی جائے۔ ایک سلطنت کی بنیاد رکھی جائے، ایک ملک بسایا جائے، جس طرح آج میرے ایک عزیز کہہ رہے تھے کہ جس طرح حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام کو ہجرت کا حکم دیا اور پھر مدینہ منورہ آکر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ کیوں نہ اس طرح کسی بستی کی بنیاد رکھی جائے تو یاد رہے کہ یہ جو بستی ہے اس کی بنیاد اسی طرز پر رکھی گئی تھی۔ مسلمانوں نے تاریخی قربانیاں دیں اور قربانی دینے کا کام صرف مسلمانوں کے حصے میں آیا دو ہی تو قومیں تھیں ہندو یا مسلمان، ہندوؤں کو انگریز کی پوری مدد بھی حاصل تھی۔ تقسیم کے وقت کارخانے، مال و زر، اسلحہ ساری چیزیں بھی ہندوؤں کے سپرد کی گئیں۔ مسلمانوں کو نہتہ کر دیا گیا اور جس قدر بھی قربانی دینا پڑی، جتنا خون بہانا پڑا، جتنے لاشے گرے، جتنے لوگ کام آئے وہ حصہ مسلمانوں کا تھا۔ اگر کچھ ہندو مارے گئے تو وہ جو قتل کرنے آئے تھے اور شہید ہونے والوں نے مقابلے میں دو چار کو مار دیا صرف وہ، پورے ہندوستان میں ہندوؤں کے کسی شہر پر کسی بستی پر، کسی آبادی پر مسلمان حملہ آور ہوئے ہوں، یہ تقسیم ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتا، جانیں قربان کرنے کیلئے، خون دینے کیلئے صرف

مسلمان قوم تھی۔ اس لئے کہ ہندو کا فلسفہ حیات یہ ہے کہ اپنے سے بڑی طاقت کو پوج لیا جائے اس کی اطاعت کرلی جائے' اس کی غلامی کرلی جائے' اس کے لئے بڑا پہاڑ ہو' بڑا پتھر ہو' بڑا سانپ ہو' بڑا درخت ہو' بڑا دریا ہو کوئی بھی چیز اسے اپنے سے طاقت ور نظر آئے' اپنے سے بڑی نظر آئے' وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی جو قوم بھی ہندوستان میں وارد ہوئی۔ ہندوؤں نے اس کی غلامی پر اکتفاء کر لیا۔ انگریز اس کے لئے بمنزلہ دیوتا کے تھے' وہ انگریزوں کی بھی پوجا کرتا رہا' انگریزوں کی بھی غلامی کرتا رہا جس دن سے انگریز نے برصغیر میں قدم رکھا اس دن سے لے کر انگریز کی واپسی تک اگر کوئی برسرپیکار رہا تو وہ صرف برصغیر کا مسلمان تھا' جس نے زندگی کے ہر شعبے میں نقصان اٹھایا۔ تعلیم کے شعبے میں بہت پیچھے رہ گیا' سرکاری ملازمتیں اسے نہ دی گئیں' کاروبار کے مواقع اسے فراہم نہ کئے گئے' اس کے بچوں کو تعلیم سے بے بہرہ رکھ کر اس کی پستی کے اسباب مہیا کئے گئے اور ہر طرح سے اسے پیسنے کی کوشش کی گئی لیکن اس کے پاس جو جذبہ ایمان تھا' جو نور ایمان تھا' جو تعلق باللہ تھا' جو محبت رسول اللہ ﷺ تھی' اس کے ہاتھوں میں' اس کی زبان پر' اس کے سینے میں جو اللہ کا قرآن تھا وہ ایک ایسی طاقت تھی کہ اسے ختم نہ کیا جا سکا۔ نہ اس کی قومی غیرت کو ختم کیا جا سکا' نہ اس کے جذبہ حریت کو ختم کیا جا سکا اور یہی وہ جذبہ تھا جو پاکستان کی اس سلطنت کی بنیاد بنا۔ یاد رکھیئے! ویسے تو مدینہ منورہ کے بعد تاریخ میں یہ پہلی ریاست ہے روئے زمین جو نظریے اور عقیدے کی بنیاد پر وجود میں آئی۔ مدینہ منورہ کی ریاست عقیدے اور نظریے کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی اور تب سے لے کر اس وطن عزیز تک کوئی دوسری ریاست نظریے یا عقیدے کی بنیاد پر وجود میں نہیں آئی۔ مدینہ منورہ کے بعد یہ پہلی ریاست ہے جو عقیدے اور نظریے کی بنیاد پر وجود میں آئی' اس کی آزادی کا اعلان رمضان المبارک کے مہینے میں اور لیلتہ القدر کی شب کو ہوا۔ اس کے لئے لاکھوں فرزندان توحید نے قربانیاں دیں۔ اتنے لوگ قربان ہوئے کہ کوئی ان کے نام نہیں جانتا۔ بے شمار وہ لوگ جن کو دفن نہ کیا جا سکا' بیشمار عزتیں جو لٹ گئیں' بیشمار وہ گھر جو جل گئے اور بیشمار وہ مائیں' بہنیں اور بیٹیاں جو جلتے ہوئے گھروں میں زندہ جل کر خاکستر ہو گئیں۔ یہ سارا کچھ کیوں ہوا تھا۔ کیا اس سارے کا حاصل یہ بھیانک خواب تھے جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ ان لاکھوں شہیدوں کی قربانی کا حاصل' لاکھوں عزتوں کے لٹنے کا پھل' ہجرتوں کا ثمر' کیا یہ تھا کہ خدانخواستہ یہاں قتل وغارت ہو' لوٹ مار ہو' عبادت گاہوں تک کو معاف نہ کیا جائے' ایک دوسرے کے سینے چھلنی کئے جائیں' ہر طرف آگ اور خون کا کھیل کھیلا جائے۔ نہیں' ہرگز نہیں' اس کا مقصد تھا کہ زمین کے اس خطے کو ان اصولوں سے آشنا کیا جائے جو اللہ کی کتاب نے اللہ کے بندوں کو زمین پر رہنے کے لئے عطا فرمائے ہیں وہ انداز سلطنت بخشا جائے جو محمد کریم ﷺ نے نوع انسانی کو بخشا تھا وہ فضا مہیا کی جائے جس کے جھونکوں میں پاکیزگی ہو' ہر قطرہ میں اللہ کا نور بھی شامل ہو' ہر خوشہ گندم میں ذکر الٰہی کی گرمی بھی ہو' عدل وانصاف ہو' امن ہو اور ایک ایسا خطہ زمین جس پر نہ صرف مسلمان بلکہ انسان اپنے انسانی حقوق کے ساتھ آرام کے ساتھ رہ سکیں' لیکن یہ کیسے ممکن تھا؟ اس کی بنیاد تھی اللہ کا قرآن' ارشاد ہوتا ہے! اس کتاب کو جو بذریعہ وحی نازل فرمائی گئی اسے پڑھیے' اس سے پوچھیے' اس سے باتیں کیجئے' اس سے سوال کیجئے' یہ آپ کے سوالوں کے جواب دے گی' یہ قرآن حکیم آپ کی رہنمائی فرمائے گا' یہ آپ سے باتیں کریگا' یہ آپ کو انداز حکمرانی سکھائے گا' یہ آپ کو انداز تعلیم وتربیت سکھائے گا' صلح وجنگ کے اصول بتائے گا' بیع وشرع کے طریقے بتائے گا' معیشت' معاشرت ہر انداز زندگی میں آپ کی رہنمائی کرے گا۔ لیکن اس کتاب کو پڑھیے اور خود کو' سب سے پہلے خود کو اللہ کا بندہ ثابت کیجئے۔ اقیمو الصلواۃ" صلوۃ سے عموماً" پنجگانہ نماز مراد لئے جاتے ہیں۔ لیکن یاد رہے' اطاعت الٰہی کو محیط ہے یہ لفظ' ہر وہ کام جو اللہ کے حکم کے مطابق کیا جائے وہ صلوۃ میں شامل ہے۔ تو فرمایا قرآن حکیم سے راہنمائی لینے کے لئے تمہیں بندہ بننا ہو گا' خدا نہیں۔ اقیمو الصلواۃ کا حاصل یہ ہے کہ اپنی حیثیت کو پہچانو'

تم بندگی کے لئے ہو۔ اطاعت کے لئے ہو' اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کے لئے ہو۔ خود شہنشاہ کہلوانے کے لئے' اپنے احکام' ذاتی خواہشات نافذ کرنے کیلئے یا اپنی پسند وناپسند کو نافذ کرنے کے لئے نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس زمانے کو جو اللہ کے نام تک کو فراموش کر چکا تھا' اس عہد کو جس میں کوئی اللہ کا نام بتانے والا نہیں تھا' اس دور کو جس میں کوئی اللہ سے واقف نہیں تھا' ہر طرح کے مظالم کا مقابلہ کر کے اس عہد کو اللہ سے آشنا کر دیا اور بڑے بڑے فرعونوں کی گردنیں حضورؐ کے قدوم مبارک کے نیچے تھیں۔ اسلامی ریاست ایک خوبصورت پھول کی طرح فضاء میں ابھری۔ وہ ریاست جس کے تین سو تیرہ نے ایک ہزار کو شکست دی' وہ ریاست جو حدود مدینہ منورہ سے پھیلتی ہوئی جزیرہ نمائے عرب کو اپنی آغوش میں لے گئی' وہ ریاست جس پر اول و آخر اللہ کا قانون نافذ کر دیا گیا' اس کا وہ حکمران جو دو جہانوں کا حاکم ہے' اس نے خود کو شہنشاہ نہیں کہلوایا' جب بات ذات کی آئی تو فرمایا میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں یوحی الی ہاں میرا کمال یہ ہے کہ اللہ براہ راست مجھے حکم دیتا ہے اور میں بھی حکم بجالاتا ہوں۔ ایک ایک بندے کو سکھلایا اشہدان محمدا عبدہ ورسولہ' کیا آپ ﷺ کو سزاوار نہیں تھا کہ حضور ﷺ شہنشاہ کہلواتے۔ جنہوں نے زمانے کا رخ پھیر کر رکھ دیا' تاریخ کا دھارا موڑ کر رکھ دیا' جن کے غلاموں اور خادموں کے پاؤں کے نیچے بڑے بڑے سلطانوں کے تاج کچلے گئے

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا

بڑے بڑے سلاطین کے تاجوں پر قدم رکھنے والا وہ اللہ کا محبوب جو رحمتہ اللعالمین ہے' جو دو جہانوں کا سلطان ہے' جب ذات کی بات آتی ہے تو فرماتے ہیں انابشر مثلکم' میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں ریاست کی بنیاد اس بات پر تھی کہ ریاست کا امیر اللہ کا بندہ تھا' ہم ریاست حاصل کرنے کے بعد' بستی بسانے کے بعد بھی' "بستی بسانا کھیل نہیں ہے' بستے بستے بستی ہے" بڑی محنتیں بڑی قربانیاں اور بیشمار وبے پناہ مصائب کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے بستیاں بسانے کے لئے اور جب ہم بستی بسا چکے تو جس مقصد کے لئے بسائی تھی وہ کیوں فوت ہو گیا' اس لئے کہ ہم نے سلطان اور امیر کو جنم دیا ہم نے بادشاہ بنائے' ہم نے حاکم بنائے' ہم نے شہنشاہ پیدا کئے۔ اے کاش اس ملک کو ہم نے بندے دیئے ہوتے' اس ملک کی ضرورت صرف اتنی تھی کہ اسے چلانے کے لئے بندوں کا انتخاب کیا جاتا ہم نے بادشاہوں کا انتخاب کیا۔ اسلام کسی کو بھی فرعون بننے کی اجازت نہیں دیتا۔ کسی کو بھی اللہ کی مخلوق پر اپنی من مانی مسلط کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہوئی کہ پچاس برسوں میں وطن عزیز کو ہم ایک بندہ مہیا نہ کر سکے آج ہم اس کی گولڈن جوبلی منانا چاہتے ہیں۔ میرے علم میں تو نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ریاست مدینہ کی سلور جوبلی یا گولڈن جوبلی منوانے کا حکم دیا ہو یا ان جانبازوں نے جنہوں نے روئے زمین کو گھوڑوں کے پاؤں کے نیچے روند دیا تھا۔ دریا اور سمندر جن کے گھوڑے عبور کر گئے اور پہاڑوں کی چوٹیاں ان صحرانشینوں کو نہ روک سکیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ صحراؤں کے باسی صحرائے عرب سے نکلے' کابل کو مسخر کرتے ہوئے چین تک چلے گئے اور جس درے سے گزرے وہ درہ اٹھارہ ہزار فٹ بلند ہے سطح سمندر سے۔ آج بھی گرمیوں میں اس درے سے جب لوگ گزرتے ہیں تو اپنے آگے جانوروں کا ریوڑ رکھتے ہیں کہ یہ برف جو ہے وہ جب پھٹتی ہے کہیں کہیں سو گز نیچے دراڑیں بن جاتی ہیں اور اوپر سے اس کا منہ بند ہو جاتا ہے پھر رات کو برف پڑ جاتی ہے سمجھ نہیں آتی اگر کچی جگہ پاؤں آجائے تو آدمی سینکڑوں فٹ نیچے چلا جاتا ہے اور پھر نکل نہیں سکتا۔ تو لوگ آج بھی وہاں سے گزریں تو اپنے سامنے مویشیوں کا ریوڑ لگا کر گزرتے ہیں کہ کہیں ایسی جگہ ہو تو اس کا پتہ چل جائے۔ جنہوں نے ساری عمر لو کے تھپیڑوں میں' ریگزاروں میں' صحراؤں میں بسر کی تھی انہیں ہمالہ کی چوٹیاں' برف پوش پہاڑ اور یہ بلند ترین جھکڑوں اور سرد ہواؤں کی زمین' ان کے گھوڑوں کو' انہیں روک نہیں سکی ان کا راستہ نہیں روک سکی بلکہ وہ گزر بھی گئے اور واپس بھی آئے۔ یہ کون تھے' شہنشاہ نہیں تھے' یہ اللہ

کے بندے تھے اور اللہ کے بندوں کی دسترس میں تھے۔ کوئی بھی شہری' بڑے سے بڑے کا دامن پکڑ سکتا تھا۔ جانوروں پر بھی زیادتی ہوتی تو اس کا نوٹس لیا جاتا۔ گھوڑوں کی سواری تک کے منازل مقرر تھے۔ اس سے زیادہ سواری گھوڑے پر نہیں کی جا سکتی تھی۔ انسان تو انسان جانوروں تک کے لئے حقوق و فرائض متعین تھے۔ ان میں کوئی سلطان و امیر نہ بنا اور جب سے امور سلطنت سلاطین و امراء کے ہاتھ آئی وہ بہاریں سمٹنے لگیں' قوم عروج سے روبہ زوال ہوئی اور پھر سلطان و امیر کی جگہ نقلی بادشاہ آگئے وقتی اور لمحاتی لوگ' مہینوں اور سالوں کے لئے آنے والے لوگ' محدود دنوں اور محدود وقت کے لئے آنے والے لوگ' جھوٹ فریب' مکر اور دھوکے کے راستے آنے والے لوگ' نااہل' ناتجربہ کار اور ناخواندہ لوگ وہ قوم کا مقدر بن گئے۔ اس پر جو پھل لگا وہ ظلم کا تھا' بدامنی کا تھا' چور بازاری کا تھا' ڈاکے اور خون قتل وغارت گری کا تھا۔ آج اس سیلاب میں ہم ڈوب رہے ہیں۔ ہم ابھر رہے ہیں۔ ڈوبنے والوں کو کوئی نہیں پوچھتا جو سانس لینے کے لئے ابھرتے ہیں انہیں کہا جاتا ہے' جشن پچاس سالہ ہے گولڈن جوبلی ہے' تالیاں بجاؤ' بہت اچھی بات ہے بڑے معیار سے منائی جانی چاہئے پچاس سالہ جوبلی کس کا شکر ادا کرے گی قوم' شیطان کا اور صرف شیطان کا' اس لئے کہ ہر طرف شیطینیت ناچ رہی ہے۔ میں اپنے انداز سے کہہ رہا ہوں کہ غیر ملکوں سے بھی کنجر منگوائے جائیں گے۔ ملکی کنجروں پر بھی بہار آجائے گی' باجے گاجے ہونگے' گانے بجانے ہونگے' شرابیں پی جائیں گی اور لوگ تالیاں بجائیں گے اور یہ پچاس سالہ گولڈن جوبلی منائی جا رہی ہوگی یہ شکر ادا کیا جا رہا ہوگا لیکن یہ انداز فکر شیطان کا ہے' دین اسلام کا نہیں ہے۔

بڑی عجیب بات ہے کہ اس دور میں ان حقائق کا بیان کرنا بھی جرم عظیم ہے۔ لیکن اللہ کے گھر میں مسجد میں بیٹھ کر نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے عطا کردہ منبر پر بیٹھ کر' سامنے قرآن کریم کو کھول کر سچ نہ کہنا بھی بہت بڑی زیادتی ہے۔ میرے عزیزو! ہمیں جو یہاں تک اللہ نے پہنچایا جو یہاں پہنچ کر بات کر رہے ہیں تو ہمارے لئے یہی سب سے بڑی سلطنت ہے۔ ہمیں نہ سیاست سے غرض ہے نہ کسی سیاسی عہدے سے نہ حکومت و سلطنت سے نہ مال دولت سے لیکن جس جگہ پر اللہ کریم نے بٹھا دیا ہے اگر یہاں سے بھی حق اور کھری بات نہیں کہی جائے گی تو پھر دنیا میں حق کا وجود ناپید ہو جائے گا۔ مجھے کسی سیاسی جماعت سے سیاسی پارٹی سے سیاسی حکومت سے غرض نہیں ہے۔ میں آپ تک اللہ کی بات پہنچا رہا ہوں۔ میں بھی اتنا ہی مکلف ہوں آپ بھی اتنے ہی مکلف ہیں اور اس ملک کا ہر شہری بھی اتنا ہی مکلف ہے' کم از کم ہر مسلمان اتنا ہی مکلف ہے کہ وطن عزیز جس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا اسے اس منزل پر پہنچایا جائے۔ مگر افسوس کہ آج سے پچاس سال قبل جس قدر دین کے' انصاف کے اور سچائی کے قریب تھی قوم' پچاس برسوں میں اس سے پیچھے چلی گئی' اس مقام پر کھڑی بھی نہیں رہ سکی۔ ہمیں وہ زمانہ بھی یاد ہے کہ آسمان گرد آلود ہو جاتا تھا تو بزرگ بڑے بوڑھے ہمارے چچا ماموں نانا دادا کہا کرتے تھے آج فضا بڑی گرد آلود ہے ایسے لگتا ہے جیسے کہیں کسی نے کوئی قتل کر دیا ہو۔ یہ جو بزرگ بیٹھے ہیں اس زمانے کے ان سے پوچھئے' آسمان پر گرد ہوتی تھی' فضا میں گرد ہوتی تھی' لوگ کہتے تھے' کہیں کوئی ناجائز قتل ہوا ہے۔ اب اتنے قتل ہوتے ہیں کہ اگر اب گرد بنے تو ہمیشہ رات ہی رہے' فضاؤں نے بھی اپنے انداز بدل لئے ہیں اب کسی کے قتل پر کوئی غبار بھی نہیں اٹھتا اس لئے کہ ہم نے مسلمان کے خون کو شیطان کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ اس وقت تو کوئی جنگل میں' ویرانے میں' مارا جاتا تھا آج کل تو نماز پڑھتے ہوئے بھی بیس بیس' تیس تیس بندے گولی کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ مسجدیں خون آلود ہو جاتی ہیں' سجدہ گاہیں تڑپتے ہوئے لاشوں سے بھر جاتی ہیں۔ کس مقام سے چلے تھے اور کہاں لے آئے وطن عزیز کو اے کاش حکمرانوں کو بھی اللہ کریم اتنی سمجھ عطا کر دے کہ وہ سدا کے لئے حکمران نہیں ہیں۔ زندگی حاکموں کی بھی ختم ہو رہی ہے۔ قبرستان اسلام آباد میں بھی ہے اللہ کے حضور حکمرانوں کو بھی جانا ہے۔ اے کاش اس ملک' اس قوم کے ان فرزندوں کو نور ہدایت

سے آراستہ کردے۔ اللہ انہی کو چشم بصیرت عطا کردے اور یہ بادشاہ کی غلامی کی بجائے اللہ و اللہ کے رسول ﷺ کی غلامی اختیار کریں۔ اس قوم کو پھر سے اس امتحان میں نہ ڈالے جو حصول ملک کے لئے، جس آگ اور خون کے طوفان سے اسے گزرنا پڑا تھا اللہ کے لئے اس قوم کو دوبارہ اسی آگ وخون کے طوفان کی نذر مت کیجئے، روئے زمین پر دنیائے کفر اس کی دشمنی کے لئے کافی ہے اس کے اپنے فرزندوں کو، جن فرزندوں کو اس نے تخت اقتدار پر بٹھایا کم از کم انہیں اس کے حال پر رحم کرنا چاہئے۔ آج وقتی طور پر وقت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہے، لیکن یہ وہی تخت ہے جس پر بیٹھنے والوں کے لئے تختہ دار ثابت ہو چکا ہے۔ یہی تخت سلطنت بڑے حکمرانوں کے لئے تختہ دار ثابت ہو چکا ہے اس کے لئے کسی حکمران کے پاس بھی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ سدا طاقت اسی کے ہاتھ میں رہے گی۔ یہ وقتی لمحاتی باتیں ہیں اصل طاقت اور اقتدار اللہ کے پاس قبضہ وقدرت میں ہے اور یہ یاد رکھیے، ظالموں کو تب تک ڈھیل ملی ہوئی ہے جب تک یہ مظلوم اٹھ کھڑے نہیں ہوتے، جب تک مظلوم ظلم سہہ رہے ہیں۔ جب تک مظلوم ظلم برداشت کر رہے ہیں، جب تک مظلوموں نے ظلم کے ساتھ سمجھوتہ کر رکھا ہے، تب تک ظالموں کی رسی بھی دراز ہے جس دن بھی مظلوموں نے ظلم سہنے سے انکار کر دیا، اس دن ظالموں کو روئے زمین میں بھاگنے کے لئے جگہ نہیں ملے گی۔ کیا ہی اچھا ہو، کتنی ہی بہتر بات ہو کہ اللہ ان سب کو ہدایت عطا کر دے اور حاکم ومحکوم ایک دوسرے کے دشمن بننے کی بجائے ایک دوسرے کے دوست بن جائیں آجر واجیر ایک دوسرے کی بھلائی چاہیں۔ امیر وغریب ایک دوسرے کے لئے جذبہ محبت رکھتے ہوں اور ہم مختلف ناموں کی بجائے مختلف خیالات کی بجائے، مختلف انداز کی بجائے ایک رشتے سے پہچانیں جائیں جو ہمارا اللہ و اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہے۔ ہم اپنی شناخت زبانوں، قوموں، قدکاٹھ، شکل وصورت یا دولت امیری غریبی کو نہ بنائیں بلکہ ہماری شناخت اسلام بن جائے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بن جائے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب ہم اپنے امور کی بنیاد کتاب اللہ پر رکھیں واقیموا الصلواۃ اور خود کو اللہ کا بندہ ثابت کریں اللہ کی اطاعت کرکے خلوص دل کے ساتھ اپنے مزاج سے اپنی فکر سے فرعونیت کو سرچ دیجئے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک عمر بھر کا بھٹکا ہوا شخص کفروشرک میں مبتلا رہنے والا بندہ خود محمد رسول ﷺ کو ایذا دینے والا جب اسلام قبول کرتا ہے تو ایک صف پر اپنے برابر رسول اللہ ﷺ اسے کھڑا کرکے فرماتے ہیں "میں بھی اللہ کا بندہ ہوں، میں بھی اللہ کو سجدہ کرتا ہوں تو بھی اللہ کا بندہ ہے تو بھی اللہ کو سجدہ کر"۔

عین لڑائی میں اگر آگیا وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

کیسے عجیب لوگ تھے، علامہ مرحوم کے شعر میں محمود غزنوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام آگیا تو میں ایک بزرگ کے حالات میں پڑھ رہا تھا کہ سلطان محمود اپنی ہندوستان کی مہم پر تھے تو وہ ان کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، شاہی لشکر میں کھانا تقسیم ہو رہا تھا انہوں نے دیکھا کہ باجرے کی روٹی کا ایک موٹا سا ٹکڑا ہے۔ کچھ سوکھا میوہ ہے اور اس کے ساتھ پانی ہر ایک سپاہی کو، افسر کو اتنا ہی مل رہا ہے پورے لشکر میں بٹ رہا ہے وہ جب سلطان کی بارگاہ میں پہنچے تو سلطان کے دستر خوان کا وقت تھا انہوں نے انہیں شریک دستر خوان کر لیا کہ دستر خوان پر ہی گفتگو ہو گی تو شاہی دستر خوان پر جب کھانا آیا تو وہی باجرے کے ٹکڑے تھے اور سوکھا میوہ اور پانی تھا تو وہ خود لکھتے ہیں کہ میں حیران ہو گیا اور میں نے کہا کیا آپ کے لشکر میں ایک سلطان کی خدمت کے لئے بھی غلہ نہیں ہے تو سلطان محمود نے جس نے غزنی سے چل کر سترہ حملے کئے تھے ہندوستان پر کسی حملے میں شکست نہیں کھائی تھی اور سومنات تک کے بت کو پاش پاش کر دیا جسے بچانے کے لئے

پورے ہندوستان کے سارے راجے' مہاراجے جمع ہوئے اور جب سومنات فتح ہو گیا تو ہندوؤں نے کروڑوں روپے کی پیشکش کی کہ ہمارا بت نہ توڑا جائے آپ جتنا سونا' چاندی جواہرات پیسہ چاہیں لے لیں تو اس نے کہا تھا کہ مومن بت شکن ہے بت فروش نہیں ہے' ہم بت بیچا نہیں کرتے اور جسے پورا برصغیر پوجتا تھا' اس بت کو توڑ کر غزنی کی شاہی مسجد کی سیڑھیاں بنا دی گئیں کہ اللہ کی عبادت کے لئے آنے والے اسے روند کر گزریں اور پتہ چلے یہ محض پتھر کا بت تھا اس میں کوئی خدائی طاقت نہیں وہ کہلانے کو تو سلطان تھے لیکن ان میں بندگی کا عنصر نمایاں تھا۔ سلطان نے کہا کہ غلہ تو سارے ہندوستان کا جمع ہو سکتا ہے لیکن جو غذا میرے لشکر کا عام سپاہی کھاتا ہے میرا بھی وہی حق بنتا ہے اس سے زیادہ کا مجھے حق حاصل نہیں ہے ان کے ساتھ کوئی جنوں کی فوجیں نہیں تھیں' یہ اتباع شریعت تھا جو انہیں ہمیشہ فاتح رکھتا تھا یہ اللہ کی بندگی کا نمایاں عنصر تھا وہ اپنی سلطانی کے گھمنڈ میں نہیں' انہیں فخر ہوتا تھا تو اللہ کا بندہ ہونے پر ہوتا تھا اور اپنے لئے وہی پسند کرتے تھے جو اللہ کے بندوں کو مہیا کر سکتے تھے۔ اگر سپاہی گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھتے تھے تو سلطان کے لئے کوئی پالکی نہیں بنتی تھی' اسی طرح گھوڑے کی پیٹھ پر سلطان بھی بیٹھا ہوتا تھا۔ یہی حکم ہے واقیموا الصلوٰۃ اللہ کی اطاعت کو شعار بنائیے اور خود کو بندہ ثابت کیجئے فرعون مت بنئے۔ ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر' اور یقیناً" اللہ کی بندگی بے حیائی سے روک دیتی ہے۔ برائی سے روک دیتی ہے' ولذکر اللہ اکبر اور اطاعت گزاروں کو اور بندوں کو اللہ کی یاد نصیب ہوتی ہے۔ جس کے مقابلے میں ساری کائنات کی کوئی حیثیت نہیں ہے وہ اتنی بڑی دولت ہے یاد الٰہی' ذکر الٰہی' اسم الٰہی فکر میں آجائے' اعمال میں آجائے' کردار میں آجائے' سوچوں میں آجائے' حتیٰ کہ ہر کام کرتے وقت یہ بات پیش نظر رہے کہ جو میں کرنے چلا ہوں اللہ اس سے راضی ہو' کہیں ایسا نہ کر گزروں جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بنے' یہ اصلی' حقیقی صورت ہے ذکر الٰہی کی' ذکر الٰہی کا حاصل یہ ہے کہ وہ راسخ ہو جائے رگ وپے میں اور جب بھی کسی طرف قدم اٹھے جب بھی کسی کام کا ہم ارادہ کریں تو اللہ کا نام سامنے ہو اور اس کی پسند کے خلاف جانے کی جرات نہ ہو فرمایا اگر یہ سب کچھ چھوڑ دو گے' ظلم کا راستہ اپنا لوگے' فرعون بن جاؤ گے' اپنی سلطانی وامیری کے زعم میں' خود کو مافوق الفطرت سمجھنے لگو گے تو یاد رکھو ! تمہارا کوئی کام اللہ کی نگاہ سے' اس کے علم سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ تمہیں اس کے پاس جانا ہے۔ اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے' ایک ایک پل' ایک ایک لمحہ کا حساب دینا ہے تو میرے بھائی ہمارے رواج ہو گیا ہے کہ ایک دوسرے پر ہم تنقید کریں کیچڑ اچھالیں' کسی کو بھلا برا کہیں' بڑی واہ واہ ہوتی ہے' حاکموں پر' حکومت پر تنقید کرو' دوسرے فرقے کو کافر کہو یار اس سب سے پہلے اپنا محاسبہ کرو' خود کو اللہ کا بندہ ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ اگر آپ اپنے دین کے ساتھ مخلص ہیں اور اللہ آپ کو وہ خلوص عطا کرے۔ اگر آپ اس وطن عزیز کے ساتھ مخلص ہیں اور اللہ آپ کو وہ خلوص عطا کرے تو میرا' آپ کا وجود اس ملک کا چودہ کروڑواں حصہ ہے۔ اس حصے پر تو اللہ کی حاکمیت نافذ کر دیجئے ایک کو تو اللہ کا بندہ بنا دیجئے' اس ایک کو فرعون مت بننے دیجئے۔ اللہ کرے یہ ایک ایک کر کے یہ سرزمین پاک اللہ کے بندوں سے بھر جائے۔ شیطان کے بندوں کی بجائے' نفس کے بندوں کی بجائے لالچ وحرص کے بندوں کی بجائے' اللہ کے بندوں کی سرزمین بن جائے' انقلاب از خود آجائے گا اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن یاد رکھیے چوروں سے انصاف نہیں ہوتا۔ لٹیروں سے امن قائم نہیں ہوتا۔ قاتلوں اور دہشت گردوں کے ہاتھوں دین نافذ نہیں ہوگا یہ قتل وغارت گری' یہ دہشت گردی' یہ خون خرابے' یہ بے دینی ہے' یہ دین کا کوئی شعبہ نہیں ہے۔ اللہ کریم اس قوم کو نور ہدایت سے مزین فرمائے۔ ہماری غیرت ایمانی کو زندہ کر دے ہمارے جذبہ آزادی کو زندہ کر دے اور ہمیں توفیق بخشے کہ اس سرزمین پر اللہ کا پاک نظام نافذ کریں۔ آمین۔

قرب الٰہی کا معیار

مولانا محمد اکرم اعوان (سالانہ اجتماع بمقام دار العرفان' مورخہ 97-8-2)

ولہ من فی السموات والارض ومن عندہ لایستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون

ہر شعبے میں الگ طرح کی آزمائش اور ابتلا ہوتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اب پندرھویں صدی ہجری جا رہی ہے اور پندرہ سو سال بعد برکات نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کو تلاش کرنا کارے دارد۔ بہت مشکل کام ہے کہ کوئی اس کا قائل ہو کر' اس پر یقین کرکے' اس کی تلاش و جستجو میں نکلے۔ لوگ نیکی کا بھی اجر دنیا میں وصول کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو بھی تجربہ ہو گا' میرے ساتھ بھی بات ہوتی رہتی ہے اکثر ڈاک میں ہوتا ہے' جی نماز بھی باقاعدگی سے پڑھتا ہوں حج بھی کیا' یہ بھی کیا' وہ بھی کیا' بیٹا پھر بیمار ہو گیا۔ گویا یہ سارا نماز حج۔ بیٹے کی صحت کا کوئی کفارہ تھا' فرض نہیں تھا یا کاروبار میں نقصان ہو گیا۔ جی نماز بھی باقاعدگی سے پڑھتا ہوں یعنی جو کوئی نماز روزہ کرتا ہے اس سے وہ یہ امید رکھتا ہے کہ اس کے بدلے میں میرے دنیاوی کام سیدھے ہوتے رہیں اور یہ وہ تصور ہے جو باطل مذاہب میں بھی آیا یعنی مذاہب باطلہ کی عبادت کا تصور یہ ہے کہ عبادات کے بدلے دنیاوی فوائد حاصل ہو جائیں۔ انسانی مزاج ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دوری کا یہ اثر ہے کہ اب پندرھویں صدی میں کوئی بڑی ہمت اللہ عطا کرے' بڑا حوصلہ عطا کرے کہ وہ پندرہ صدیوں کا سینہ چیر کر اپنا تعلق' اپنا رشتہ اس عہد زریں سے جوڑے اور کم از کم اس مخمسے سے تو باہر آئے یا پھر خط میں یہ ہوتا ہے کہ ہر کام کے لئے کوئی وظیفہ بتائیں۔ پرسوں ایک خط تھا کہ میرا بہنوئی دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ کوئی وظیفہ بتائیں وہ رک جائے۔ میں نے لکھا بھائی شریعت نے اجازت دی ہے اور اس کی اپنی شرائط ہیں اگر وہ شرعی شرائط پوری کرتا ہے تو کرے' نہیں کرتا تو وہ خود جوابدہ ہو گا۔ ایسا کونسا وظیفہ ہے جو کسی کو ٹانگ سے پکڑ کر باندھ رکھے کہ کہیں جا کر شادی نہ کرلے تو میں نے کہا وظیفہ ہی پڑھنا ہے تو اللہ اللہ کرو آخرت کے لئے پڑھو۔ قرب الٰہی کے لئے پڑھو۔ لوگ شادیاں کرتے بھی ہیں' چھوڑتے بھی ہیں' مرتے بھی ہیں' پیدا بھی ہوتے ہیں یہ دنیا کا ایک نظام ہے جو چل رہا ہے' چلتا رہے گا' نہ مجھ سے رکتا ہے نہ آپ سے رکتا ہے نہ اسے کوئی اور روک سکتا ہے۔ اس کی ایک اپنی ڈگر ہے چلانے والا اسے چلا رہا ہے۔ یہ چلتا رہے گا۔ خود کو' اپنے آپ کو تلاش کرو تم کہاں گم ہو چکے ہو۔ کہاں سرگرداں ہو اور کہاں ہونا چاہئے تو اگر زندگی میں اتنا سا کام کر سکو تو یہ بہت بڑا کام ہے اگر یہ نہیں کر سکتے تو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ تمہیں بھی تکوینی امور میں محض تماشہ ہی بننا ہے اور مجھے بھی تماشہ ہی بننا ہے۔ جو وہ چاہتا ہے' وہ ہوتا ہے اسے ہونے دو۔ تو یہ مصیبت ہے اس راستے کی کہ پہلے تو آدمی اس طرف آتا نہیں' اتنا دنیا میں مصروف ہوتا ہے پھر وہ ٹوٹی پھوٹی کوئی نماز پڑھ لی سمجھا دین کا حق ادا ہو گیا۔ نمازی بن جائے تو پھر نمازوں کو دنیاوی چیزوں کے حصول کا سبب جاننے لگتا ہے یہ دوسری آزمائش ہے۔ تیسری اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان سب سے آگے نکل بھی جائے تو پھر اسے یہ مصیبت بن جاتی ہے کہ پتا نہیں میرے کون کون سے مراقبات ہیں اور میں کہاں تک پہنچا ہوں کس عرش پر ہوں' کس دائرے میں ہوں' وہ اس مصیبت میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ کریم اگر یہ نعمت نصیب کریں تو رب جلیل نے اس کے معیار بتا دیئے ہیں میرے یا کسی دوسرے کے بتانے کی ضرورت ہی باقی نہیں چھوڑی اس نے۔ اگر کسی کو طلب الٰہی کا راستہ نصیب ہو جائے اور وہ اس پر محنت و مجاہدہ کرنے لگے تو اس کے پاس کیا پہچان ہے کہ وہ کہاں ہے یہ اس آیہ کریمہ نے بتا دیا ہے۔ یوں تو ساری کائنات اللہ کی ذاتی ملکیت ہے اور اس کے حکم کے تابع ہے لہ من فی السموات والارض جو کچھ آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے سب اسی کا ہے۔ من عندہ لایستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون' لیکن

لیکن جو اس کے قریب ترین بندگی میں' انہیں نہ تو اس کی عبادت کرنے سے کوئی عار محسوس ہوتی ہے نہ کوئی تکبر ان کے دل میں آتا ہے نہ اپنی بڑائی کا کوئی گمان ان کے دل میں آتا ہے اور نہ ہی عبادت کرنے سے وہ تھکتے ہیں۔ یعنی جتنا جتنا عبادات میں' نیکی میں دل لگتا جائے اور جتنی جتنی برائی سے اور نافرمانی سے نفرت ہوتی جائے حتو یہ معیار ہے قرب الٰہی کا۔ اگر کوئی مراقبات کسی کو نصیب ہو بھی گئے اور نیکی کی محبت اس میں نہ آسکی تو ہو سکتا ہے مشائخ سلسلہ کی کرامت کی وجہ سے یا ان کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے وقتی طور پر کوئی انوارات کا پرتو آگیا ہو لیکن وہ دوسرے لمحے سلب ہو جاتا ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی جب تک عمل میں وہ تبدیلی نہ آئے چونکہ محاسبہ جو ہو گا وہ اعمال کا ہو گا اور فرض' سنت' واجب جو ہے وہ کیفیت اعمال میں ہے۔ اعمال میں کتنی توفیق عمل ہوتی ہے۔ پھر جو عمل ہم کرتے ہیں اس میں کتنا خلوص ہے اور کس قدر اس میں خشوع و خضوع ہے یہ خلوص اور خشوع و خضوع ایسی کیفیات ہیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں ہے یعنی آپ کوئی حد مقرر نہیں کر سکتے کہ یہاں پہنچ کر بندے کا خلوص جو ہے وہ کامل ہو گیا یا اس کا خشوع و خضوع کامل ہو گیا۔ چونکہ یہ کیفیات ہیں تعلق باللہ کی' قرب الٰہی کی اور قرب الٰہی کی کیفیات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور نہ کبھی ہوگی۔ ایک غلط العام ہے کہ فلاں شخص نے سلوک مکمل کر لیا اور حیرت ہوتی ہے کہ جہاں یہ کہا جاتا ہے سلوک تمام ہو گیا تو عموماً" بلکہ اکثر و بیشتر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ فنا و بقا کے مراقبات پر سلوک کے تمام ہونے کی مہر لگا دی جاتی ہے۔ جبکہ فنا و بقا راہ سلوک میں ابجد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب اگر کوئی ا۔ با۔ تا یاد کر لے تو کہہ دیا جائے کہ جی یہ عالم فاضل ہو گیا' یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ حق یہ ہے کہ اس راستے کی انتہا ہی نہیں یہ کبھی تمام نہیں ہوتا نہ کبھی تمام ہو گا بلکہ جنت میں ہر جنتی کی اپنی حیثیت کے مطابق ترقی ہوتی رہے گی اور ابدالاباد ہوتی رہے گی اور کوئی انتہا نہیں آئے گی اس لئے کہ یہ قرب الٰہی ہے اور اس میں کسی جگہ پہنچ کر کوئی انتہا نہیں آئے گی کہ یہ جی رب کریم یہاں بیٹھے ہوتے ہیں اور اس سے آگے کوئی جگہ نہیں ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا تو اس میں عمریں ساتھ چھوڑ جاتی ہیں لیکن اس کی ترقی درجات چلتی رہتی ہے۔ برزخ میں بھی' آخرت میں بھی' میدان حشر میں بھی اور جنت میں بھی۔ جنہیں ترقی نصیب ہوتی ہے' ان کے درجات بڑھتے رہتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں موجود ہے کہ ہر لمحہ اہل جنت کے حالات ترقی پذیر ہونگے بلکہ کھانے تک میں یہ فرق ہو گا کہ ایک لقمہ جب کھایا تو دوسرا جب اسی سے لقمہ کھائیں گے تو اس میں پہلے سے زیادہ لذت ہوگی ہر چیز میں ترقی ہوتی رہے گی' اسی طرح دیدار باری' قرب الٰہی کے درجات بڑھتے رہیں گے' ترقی ہوتی رہے گی۔ جہاں جہاں کوئی ہے اسے اس کی اپنی حیثیت کے مطابق' اس کے حال کے مطابق ترقی ملتی رہے گی چونکہ بنی آدم کا مزاج اللہ نے ایسا بنایا ہے کہ ایک حال پر رہ جائیں تو اس سے اکتا جاتے ہیں خواہ جنت ہی میں ہوں یعنی جنت کی زندگی بھی اگر روٹین ورک بن جائے تو اللہ کے بندے چوتھے دن اس سے دعائیں کرنے لگیں گے کہ ہمیں آپ نے کہاں پھنسا دیا۔ تو وہ خود خالق ہے' مالک ہے' اس نے خود مزاج بنایا ہے۔ اس نے اپنے بندوں کے لئے ہر لمحہ پہلے سے زیادہ لذت' زیادہ سکون' زیادہ آرام' زیادہ برکات کا اہتمام کر دیا اب وہ جگہ کبھی نہ ختم ہونے والی معیادکی ہے کبھی نہ ختم ہونے والی عمر کی ہے تو اس کا مطلب ہے وہ ترقی بھی کبھی ختم نہیں ہو گی تو پھر یہ کہنا کہ فلاں نے انتہا کو پالیا' یہ تو سادگی کی بات ہے' کوئی ایسا مقام نہیں جسے انتہا کا نام دیا جا سکے اور اس آیہ کریمہ میں یہ ترجمہ تو کیا جاتا ہے ومن عندہ' یعنی جو فرشتے اللہ کے پاس ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے قریب ہیں اسلام ہے' کیا انسان میں' بنی آدم میں' اوصاف ملکوتی پیدا کرنے کا نام اسلام ہے؟ فرشتوں میں تو فرشتوں جیسی صفات ہیں لیکن اس مشت غبار میں بھی اوصاف ملکوتی پیدا ہو جائیں اسلام بنی آدم میں فرشتوں جیسی خصوصیات پیدا کرتا ہے۔ عبادت' اس میں خشوع و خضوع' اوصاف ملکوتی میں سے ہے۔ روزہ اوصاف ملکوتی میں سے ہے۔ اپنا کمایا ہوا مال ایثار کر دینا اور مال سے محبت نہ کرنا اوصاف ملکوتی میں سے ہے۔ اپنی خواہشات ہونے کے باوجود ان سے رک جانا

اور حکم الٰہی کی تکمیل کرنا اوصاف ملکوتی میں سے ہے۔ یعنی وہ صفتیں جو فرشتوں کی ہیں وہ بندے میں پیدا ہو جائیں تو یہ اسلام ہے اور اگر اس میں اوصاف ملکوتی نہیں ہوں گیں تو پھر وہ شیطان کی پیروی پر چل پڑے گا۔ جہاں وصف ملکوتی نہیں ہو گا وہاں شیطانی یا طاغوتی وصف آجائے گا پھر وہ ایسا کام کرے گا جو شیطان کرتا ہے تو یہی قرب الٰہی جو مقربین بارگاہ کو نصیب ہے۔ یہی جب انسان کو نصیب ہوتا ہے تو یہ درجات میں فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اس لئے کہ فرشتے کو تخلیقی طور پر نصیب ہے اور فرشتے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ کوئی ایسی خصلت نہیں ہے۔ کوئی ایسا وصف نہیں ہے جو اس کے لئے رکاوٹ بنے یا آزمائش بنے جبکہ بنی آدم میں بھوک' پیاس سے لیکر دیگر ضرورتوں اور احتیاج تک بیشمار ایسے عوامل ہیں' جو اسے اللہ کی اطاعت سے روکنے کا کام کرتے ہیں۔ سب کو عبور کرکے' ان سب سرحدوں سے گزر کر جب وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور فرشتوں جیسا کام کرتا ہے' اپنے اندر اوصاف ملکوتی پیدا کرتا ہے اس کے درجات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ بہت زیادہ انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ اسی لئے آخرت کا اجر "جنت" بنی آدم کے لئے ہے۔ فرشتے اگر وہاں ہونگے تو ایک کارکن کی حیثیت سے' وہاں "Enjoy" انجائے کرنے کے لئے نہیں اور دوزخ کی سزا بنی آدم کے لئے ہے فرشتوں کے لئے نہیں وہ وہاں بھی ایک کارکن کی حیثیت سے ہی ہوں گے۔ فرشتے کے لئے برابر ہے کہ وہ جنت میں ڈیوٹی دے رہا ہے یا جہنم میں دے رہا ہے تو یہاں اگر فرشتے مراد ہیں تو اسلام کا مقصد' بنی آدم میں بھی اوصاف ملکوتی پیدا کرنا ہے۔ تو ترقی درجات کا یا اپنے مراقبات کا یا منازل کا اندازہ اس دنیا میں نہ کریں چونکہ قیام قیامت اور روز حشر تک یہ فیصلہ تو باقی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی بڑے صاحب منزل کو میدان حشر میں کسی چھوٹی سی بات پر محروم کر دیا جائے اور ہو سکتا ہے کسی ناقص وناکارہ پر اللہ کی رحمت ہو جائے اور اسے کروڑوں درجات عطا کر دیئے جائیں تو اس کی مرضی کی بات ہے۔ کوئی بات جو اللہ کو قبول ہو گئی وہ ترقی درجات کا سبب بن جاتی ہے کوئی بات جو اس کی بارگاہ میں گستاخی قرار پا گئی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث پاک کا ترجمہ ہے کہ انسان کام کرتا ہے اور وہ نہیں سمجھتا کہ اس نے کیا کیا یعنی بہت معمولی کام ہوتا ہے اور وہ متوجہ بھی نہیں ہوتا بس عادتاً" کر دیتا ہے لیکن جب وہ اللہ کو پسند آجائے تو وہ اتنا عظیم کام ہوتا ہے کہ وہی اس کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے اور بعض اوقات وہ کوئی کام کرتا ہے' کوئی بات کرتا ہے اس کا وہ خود نوٹس نہیں لیتا عام روٹین میں کر دیتا ہے۔ وہ اللہ کو اتنی ناپسند ہوتی ہے کہ وہ اس کی ساری عبادات ضائع کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عمل ہو جائے جس پر اللہ کریم ناراض ہو جائے۔ اللہ کریم کو غصہ آجائے وہ بات اللہ کو ناپسند آئے تو وہ ایک جملہ' ایک بات' ایک چھوٹا سا کام بھی اس کی زندگی بھر کی' اس کی ساری کیفیات کو دھو دیتا ہے۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ جب ہم قبر میں پہنچیں گے۔ لوگ مٹی ڈال کے فارغ ہو جائیں گے۔ تب بات قابل اعتبار ہو گی کہ میرے پاس کتنے مراقبات ہیں۔ دم واپسیں تک بندہ خطرے میں ہے۔ مکلف ہے۔ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین' جب تک سانس کی ڈوری چل رہی ہے۔ کوئی قدم بھی غلط ہو سکتا ہے۔ کہیں بھی لغزش ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی کوتاہی ہو سکتی ہے۔ تو ان ساری لغزشوں' ان ساری کوتاہیوں' ان سارے خطرات سے آگاہ رہنے کے لئے بندہ اپنا محاسبہ اس انداز سے کرتا رہے کہ عبادات میں کتنا جی لگتا ہے اور اکتاہٹ تو نہیں ہو رہی اللہ اللہ کرنے سے۔ فرائض سے' واجبات سے' نوافل سے' تلاوت سے کہیں اکتاہٹ تو نہیں ہونے لگی' جی لوگ تو کھائے جا رہے ہیں حلال حرام اور ہم خواہ مخواہ پرہیز کرتے رہیں جو ملے کھا لو یا لوگ تو کروڑپتی ہو گئے اور ہم بیٹھے دیکھ رہے ہیں اور ہم بھی دو بینک لوٹ لیں۔ اگر اس طرح کے خیالات آتے ہیں تو اس کا مطلب ہے یہ اللہ کریم کی ناراضگی کا سبب ہے اور اگر مزاج نیکی کی طرف مائل ہے اور برائی سے بچنا چاہتا ہے اور مزاج میں یہ بات آگئی ہے کہ ہمیں بھلائی کرنی ہے۔ ہمیں نیکی کرنی ہے جو برائی کر رہا ہے وہ اپنا جواب اللہ کریم کے حضور دے گا۔ کسی برائی کو مثال بنا کر اپنے لئے برائی کا راستہ اپنا لینا کوئی دانش مندی نہیں ہے تو جس بھی ساتھی کو یہ خیال ہو کہ

میرے منازل کتنے بلند ہیں وہ خود اپنا محاسبہ' اپنے قلب کا' اپنے باطن کا' اپنے ضمیر کا کرے خود کو جانچے۔ اپنی پیمائش کرے جتنے جتنے اس کے منازل بلند ہونگے اتنی اتنی اس میں نیکی کی رغبت بڑھتی جائے گی۔ نیکی کے لئے ہمت اور توفیق ارزاں ہوتی جائے گی اور جتنی کمی آئے گی اتنی توفیق عمل چھنتی چلی جائے گی۔ اب یہ سمجھ لینا کہ جی فلاں جو ہے وہ تو اپنی منزل کو پہنچ گیا اسے اب عبادت کی ضرورت ہی نہیں یہ بہت بڑی جہالت ہے۔ اللہ کریم نے جتنی کائنات تخلیق فرمائی ہے اس میں بے مثال ہستی تخلیق فرمائی' پیدا فرمائی' آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ۔ بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر آپ ﷺ راتوں کو کھڑے ہو جاتے تو راتیں بیت جاتیں۔ عبادات کا اہتمام فرماتے دم واپسی تک یہ معمول رہا۔ جب تک حضور ﷺ دو آدمیوں کے سہارے بھی حجرہ مبارک سے مسجد نبوی تشریف لا سکے تب تک آپ نے باجماعت نماز کا اہتمام فرمایا۔ اس حال میں بھی حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے کہ قدم مبارک گھسٹ رہے تھے اور دو آدمیوں نے دو صحابہ کرام نے دونوں بازوؤں سے سہارا دے رکھا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سہارا دے رکھا تھا اور آپ کے قدوم مبارک گھسٹ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سمجھا کہ میں نماز پڑھا نہیں سکوں گا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا۔ حضور ﷺ آہستہ سے تکبیر کہتے تھے۔ ابوبکرؓ بلند آواز سے کہتے تھے اور لوگ نماز پڑھتے تھے اب کوئی بتائے کہ وہ کونسی ایسی منزل ہے جس پر کوئی بندہ پہنچ گیا جسے عبادت کی ضرورت ہی نہیں رہی کونسا ایسا درجہ ہے جس پر وہ فائز ہوگیا۔ سوائے گمراہی کے یہ کچھ نہیں ہے۔ تہجد کے حالات میں' اور روایات میں ملتا ہے' حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ حضور ﷺ تہجد کے لئے اٹھتے' آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو سینہ مبارک سے اس طرح شور اٹھتا تھا جیسے کوئی ہنڈیا ابل رہی ہو اور چشمہائے مبارک سے آنسو رواں ہوتے ریش مبارک کو بھگو کر سینہ اطہر پہ ٹپکنے لگتے۔ آپ فرماتی ہیں میرا خیال ہوتا تھا کہ حضور ﷺ کھڑے ہی رہیں گے فجر تک' پھر رکوع کرتے اتنا لمبا کہ خیال ہوتا شاید رکوع ہی میں فجر ہوجائے پھر سجدہ کرتے اس میں یہی گمان ہوتا۔ تو ایک کیفیت وصف تھی ذات باری سے جو رحمت العالمین ﷺ کو عبادات میں مزید پختگی اور گہرائی عطا کرتی تھی اور اب اگر کوئی عبادات سے محروم ہوگیا' سمجھا جائے کہ وہ بڑی منزل پاگیا تو وہ کونسی منزل ہے سوائے شیطینیت کے' گمراہی کے' دھوکے اور غلط فہمی کے۔ اور تو کوئی منزل نہیں عملی زندگی میں۔ اللہ کے وہ حبیب ﷺ آپ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ نے دست مبارک بڑھایا پھر چھوڑ دیا۔ فرمایا! اللہ نے مجھ پر جنت پیش فرمائی تھی اور میں نے سوچا تمہارے لئے ایک خوشہ انگور توڑتا اور پھر میں نے چھوڑ دیا' ارادہ ترک کردیا لیکن اگر میں توڑ لیتا تو قیامت تک لوگ کھاتے رہتے اور وہ تروتازہ بھی رہتا اور ختم بھی نہ ہوتا۔ اللہ کا وہ حبیب میدان عمل میں دو دو زرہ پہن کر نکلتا اور باطل سے ٹکراتا ہے وہ رخ انور جس کی زیارت کو فرشتے ترستے ہیں' جس کی قبر اطہر پہ ہزاروں فرشتے روزانہ درود پیش کرنے کے لئے آتے ہیں اور پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آئے گی وہ رخ انور' جو جمال الٰہی کا مظہر ہے۔ انوارات و تجلیات کا مہبط ہے وہ رخ انور جس نے کائنات کو اللہ کا پیغام دیا اس رخ انور کو زخمی کرایا' خون بہایا۔ دندان مبارک شہید ہوگئے یعنی اگر آپ عبادت وخشوع وخضوع دیکھنا چاہئیں تو بھی اسی ذات گرامی میں موجود ہیں جو آپ کو بدر واحد شمشیر بکف نظر آچکے ہیں۔ عملی زندگی میں' کاروبار جہان میں اللہ کا وہ حبیب کھانا پکانے میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ اللہ کا وہ حبیب ﷺ بازار سے سودا سلف لانے کے لئے خود تشریف لے جاتا ہے۔ اللہ کا وہ حبیب ﷺ مزدوری پر بکریاں چرانا عار نہیں سمجھتا۔ تجارتی قافلوں کے ساتھ سفر فرماتا ہے۔ احقاق حق کے لئے جس نے دنیا سے سفر کرتے وقت بھی روم کے محاذ پر اپنا لشکر روانہ فرمایا جو ابھی اپنے پہلے پڑاو میں تھا کہ حضور ﷺ کا وصال ہوگیا لشکر واپس آیا اور پھر امیرالمومنین ابوبکر صدیقؓ نے اس کو دوبارہ روانہ کیا اس نبی رحمت ﷺ

نے یہ نہیں فرمایا کہ میری زندگی تو آج کے چند لمحات پر منحصر ہے میں تو دنیا سے سفر فرما رہا ہوں' سب کچھ انہیں سکھا دیا وہ کرتے رہیں۔ نہیں' دم واپسیں تک فرمایا میں مکلف ہوں' ابھی تو فوج بھیجنا میری ذمہ داری ہے پھر اور کون ہے جو مکلف نہیں۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم دنیا کا کام کرنے لگیں تو دین سے جاتے رہتے ہیں۔ نماز روزہ کرنے لگتے ہیں تو دنیا چھوڑ بیٹھتے ہیں دونوں طرف آدھا آدھا اسلام رہ جاتا ہے تو پھر چار نمازیں پڑھ لیں تو یہ فکر پڑ جاتی ہے کہ پتہ نہیں میں نے کونسا تیر مار لیا اور میں کہاں پہنچ گیا۔ کچھ بھی نہیں ہے' نہ میں ہوں نہ تو ہے یہ سب مشت غبار ہیں۔ صرف ایک معیار ہے کہ جتنی جتنی نیکی کی توفیق ارزاں ہوتی جائے اس میں دل لگتا جائے' سمجھ لیں ترقی درجات ہو رہی ہے۔ جتنی جتنی برائی سے نفرت ہوتی جائے' سمجھ لیں یہ اللہ کی رحمت ہے اور اگر گناہ کی رغبت بڑھنے لگے' اپنی بڑائی کا خیال آنے لگے' برائی کی طرف سفر ہو تو سمجھ لیں اللہ کریم راضی نہیں' بڑا خوبصورت سا' آسان سا' سیدھا سا معیار ہے۔

اس راستے کی جسے سلوک واحسان کہتے ہیں' اس راستے کی کوئی ایسی منزل سلف صالحین سے پہلے یا بعد' قرون ثلاثہ سے پہلے یا بعد کوئی ایسی منزل نہیں ہے جو جس سلسلے میں اللہ نے آپ کو سعادت بخشی ہے اس کی رسائی سے باہر ہو۔ اول یا آخر منتہیٰ' جہاں دوسرے سلسلے تمام ہوتے ہیں وہاں سے ہمارے سلسلے کی ابتداء ہوتی ہے اور آخر ما حبیب تمنا تھی' اور اس کا کمال یہ ہے' انتہا یہ ہے کہ بندے کے پاس مانگنے کے لئے کچھ نہیں رہتا' اس کی طلب' اس کے علم' اس کے حافظے سے زیادہ اس کو مل جاتا ہے۔ پھر اس میں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ صوفی وہ ہوتا ہے جو صاحب حال ہو صاحب حال کون ہوتا ہے؟ وہ جو زمانے پر اپنا نقش ثبت کرے اور جو زمانے کے حالات کے دھارے میں بہہ جائے وہ مغلوب الحال ہوتا ہے وہ صاحب حال نہیں ہوتا۔ وہ حال سے یعنی زمانے سے' زمانے کے واقعات سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس زمانے کے دھارے میں بہہ جاتا ہے نتیجہ مغلوب الحال لوگوں کی اکثریت ہوتی ہے اور ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو زمانے پر اپنا نقش ثبت کریں اور اسے اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کر دیں۔ تصوف یا احسان یا سلوک کا حاصل یہ ہے کہ آدمی صاحب حال رسم ورواج کا اسیر نہ ہو بلکہ رسومات اس کے قدموں کی ٹھوکروں میں ہوں اور وہ نقیب ہو سنت اللہ کا' سنت رسول ﷺ کا' یہی معیار ہے' کسوٹی ہے' اب جو کوئی اپنے منازل' اپنے مراقبات دیکھنا چاہے سمجھنا چاہے' ضرور سمجھے۔ جہاں تک ترقی کا تعلق ہے تو اس سلسلہ عالیہ میں' اور یہ صرف اس سلسلے کی خصوصیت ہے' باقی سلاسل میں ہمیشہ ہر حال میں شیخ کی ضرورت ہوتی ہے اور شیخ قدم بقدم چلاتا ہے لیکن اس سلسلہ میں جب کسی کو سالک المجذوبی سے آگے عرش کے منازل میں چلا دیا جائے تو پھر وہ جہاں بھی ہو اسے توجہ بھی ملتی رہتی ہے' جتنی محنت کرے اتنی ترقی بھی کر سکتا ہے' زندگی کا بھروسہ نہیں ہے۔ اللہ کریم نے یہ بہت بڑی نعمت اور سعادت نصیب فرمائی ہے۔ اپنی پوری توجہ اس میں صرف کریں پوری محنت صرف کریں اور میری تو یہ دعا ہے اللہ کریم آپ لوگوں کو اس وطن عزیز کی تقدیر سنوارنے کی سعادت نصیب فرمائے اور تاریخ کا یہ حصہ بنے کہ اللہ کے کچھ بندوں نے واقعی ملک پر اسلام نافذ کر دیا ہے۔ آمین

قیامت کی نشانی

3- ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ ایک مجلس میں گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب امانت روٹھ جائے تو قیامت کا منتظر رہ اس اعرابی نے عرض کیا کہ امانت (ایمانداری) کیسے اٹھ جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ جب کام نالائق (غیر اہل۔ نااہل) کو دیا جائے تو قیامت کا منتظر رہ۔

قرآن کی حکومت

مولانا محمد اکرم اعوان (سالانہ اجتماع بمقام دارالعرفان، مورخہ 97-11-14)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ وھذا کتب انزلنہ مبرک فاتبعوہ واتقوا لعلکم ترحمون ○' سورۃ الانعام آٹھویں پارے میں ہے اور یہ ساتواں رکوع شروع ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اور یہ کتاب ہے' "انزلنہ" جسے ہم نے نازل فرمایا ہے' "مبرک" یہ بہت ہی برکت والی ہے۔ "فاتبعوہ" اس کی پیروی کرو' عملی زندگی میں اسے اپناؤ۔ واتقوا" اس کے اپنانے سے' اس پر عمل کرنے سے تمہیں اللہ کے ساتھ تعلق نصیب ہو گا جو تم پر اللہ کی رحمت کا سبب بن جائے گا "لعلکم ترحمون○" تاکہ تم اللہ کی رحمت کو پاسکو۔

اسلام اور مسلمانوں کی ایک دنیوی تاریخ بھی ہے۔ آخرت کی بات اپنی جگہ آخرت یا تو ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لاتے ہیں' مانتے ہیں' اقرار کرتے ہیں یا پھر جب سب لوگ آخرت کو دیکھیں گے تو پھر سب مان لیں گے لیکن دنیا میں جو آخرت کے قائل نہیں ہیں وہ اخروی دلائل سے ماننے سے رہے' لیکن دنیا تو سب کے سامنے ہے اور دنیوی نتائج سب کے سامنے ہیں۔ اسلام کی دنیوی تاریخ بھی کامیابیوں' کامرانیوں امن وانصاف' عدل اور بہترین معاشرے کی تاریخ ہے۔ تاریخی اعتبار سے بھی دنیا کی کوئی قوم ایسا نظام پیش نہیں کر سکی جو بیک وقت ساری دنیا کے لئے قابل عمل ہو۔ دنیا کی کوئی قوم' دنیا کی کوئی تہذیب' کوئی ایسا قانون' کوئی ایسا عدالتی نظام' کوئی ایسا معاشی نظام' کوئی ایسا معاشرتی نظام' کوئی ایسا سیاسی نظام' کوئی ایسا تعلیمی نظام' دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکی جو بیک وقت روئے زمین کے سارے انسانوں کے لئے قابل عمل بھی ہو اور مفید بھی ہو۔ یہی نہیں' دنیا کی کوئی قوم ایسا عقیدہ اور نظریہ بھی پیش نہیں کر سکی جو تمام بنی آدم کے لئے قابل قبول ہو۔ دنیا کی کوئی قوم عبادت کا ایسا کوئی نظام پیش نہیں کر سکی جو پوری دنیا پر قابل عمل بھی ہو اور سارے انسانوں کے لئے مفید بھی ہو۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ صرف تھیوری پیش کرنا یا کتابوں میں بات لکھ دینا یا بتا دینا یہ بھی ممکن نہیں اسلام نے نہ صرف تھیوری پیش کی بلکہ اس پر عمل کرکے روئے زمین پر یہ ثابت کر دیا کہ دنیا کی ہر قوم' ہر علاقے' ہر ملک اور ہر موسم کے لئے یہ نظام یکساں مفید ہے اور اس میں سب کے لئے ایک جیسی برکات ہیں۔ اس نظام کے دنیوی فوائد اپنی جگہ اس لئے کہ کسی بھی کام کو کرنے کا جو صحیح طریقہ ہوتا ہے اس میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ آسان ہوتا ہے ان تمام دیگر طریقوں سے جن سے وہ کام کیا جا سکے اور دوسری بات اس میں یہ ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ بہتر نتائج مرتب ہوتے ہیں بہ نسبت دوسرے طریقوں کے۔ اسلام نے جو طریقہ' جو نظریہ دنیا کیلئے دیا' کتاب اللہ نے جو عالم آب وگل کے لئے باتیں ارشاد فرمائیں' ان کو بھی تاریخ انسانی کے آئینے میں دیکھا جائے تو صحرا سے اٹھنے والے چند خانہ بدوش جنھوں نے معاشرے کے ضابطوں اور اصولوں کو جو اس معاشرے اور اس عہد کے لوگوں کے بنائے ہوئے تھے' رد کر دیا اور قرآنی نظام کی دعوت دی جو ابھی پورا نازل نہیں ہو چکا تھا۔ چند احکام' کچھ عقائد نازل ہوئے تھے جس پر انہیں شہربدر ہونا پڑا' ہجرتیں کرنا پڑیں' کتنی عجیب بات ہے کہ لوگوں نے سمجھوتہ نہیں کیا۔ ہجرت کرنا گوارا کر لیا' شہر چھوڑ دیئے' گھر چھوڑ دیئے ہیں' جائیدادیں چھوڑ دیں' کاروبار تباہ ہو گئے' بیوی بچوں کو لے کر دربدر ہو گئے لیکن سمجھوتہ نہیں کیا اس لئے کہ اس نظام کو اگر خلوص دل سے اپنایا جائے تو اس میں ایک خاص بات یہ ہے۔ "واتقوا" اللہ کے ساتھ ایک خاص تعلق حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ کے ساتھ جو تعلق ہے وہ یہ جرات رندانہ عطا کرتا ہے کہ بندہ دنیوی تکالیف یا دنیوی نقصانات کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اسے جو مفاد مل رہا ہوتا ہے جو فائدہ مل رہا ہوتا ہے وہ دنیا سے بہت زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ جو لذت اسے مل رہی ہوتی ہے' لذت آپ کس کو کہیں گے FEELINGS کو' احساسات کو' ہر وہ احساس جو

خوشی اور فرحت دے وہ لذت کہلائے گا۔ کسی کو لوٹ کر اگر لذت ملتی ہے' پیسہ چھین کر اگر لذت ملتی ہے' کوئی ایسا بھی ہے جسے لٹا کر ملتی ہے۔ بات تو ہر ایک کی اپنی لذت اور اپنے لطف کی ہے کہ اسے کس طرح سے لطف آتا ہے۔ تو جب انہیں اللہ سے تعلق نصیب ہوا تو اللہ کے نام پر گھر چھوڑنے میں بھی ایک لذت تھی۔ اللہ کے نام پر مار کھانے میں بھی ایک لذت تھی۔ اللہ کے نام پر تکالیف برداشت کرنے میں بھی ایک لذت تھی۔ اسی لئے آپ پورے تیرہ سالہ مکی زندگی میں کوئی ایک صحابی ایسا پیش نہیں کر سکتے کہ جس نے یہ عرض کیا ہو یا رسول اللہ ﷺ ہم ان مصیبتوں سے تھک گئے ہیں' یا اللہ سے دعا کیجئے یہ مصیبتیں ختم ہو جائیں۔ یا اللہ سے دعا کیجئے یہ کافر تباہ ہو جائیں۔ آخر وہ کہہ تو سکتے تھے کیوں نہیں کہا۔ وہ بھی تو انسان تھے۔ مٹی کے بنے ہوئے' خاک کے پتلے درد بھی ہوتا تھا' چوٹ بھی لگتی تھی' بھوک بھی لگتی تھی' انہیں بھی ضرورت تھی گھر کی' گھر کے سامان کی' اپنے کاروبار کی' لیکن حق یہ ہے کہ خلوص سے جب انہوں نے اطاعت پیامبر ﷺ کا عہد کر لیا تو انہیں قرب الٰہی کا وہ لطف نصیب ہونے لگا جس میں اللہ کے نام پر کچھ کھو کر مزہ آتا تھا۔ مار کھا کر راحت ملتی تھی۔ پریشانیاں ان کا لطف دوبالا کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے گھر چھوڑ دیئے اور عجیب بات ہے جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو وہی لوگ فاتحین کی صف اول میں تھے جو مکہ چھوڑ کر آئے تھے تو وہ گھر' وہ جائیدادیں' وہ ساری چیزیں ان کے قبضے میں آگئیں' انہوں نے واپس نہیں لیں بلکہ مدینے سے آنے والے مہاجرین نے' مکہ میں رہ کر قصر نمازیں ادا کیں۔ اسے اپنا گھر نہیں سمجھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے مکان' زمین جائیداد اللہ کے نام پر چھوڑ دی اب اس پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔ فتح ہو گئی ہے تو بیت المال کا مال ہے۔ اللہ کا مال ہے جسے چاہے عطا کرے ہم واپس نہیں لیں گے اس لئے کہ ہم اسے اللہ کے نام پر چھوڑ چکے۔ پھر یہی نہیں بات بڑی عجیب ہے کہ صحرائے عرب سے اٹھتے ہیں اور قیصر سے ٹکراتے ہیں اور قیصر کا تو دماغ گھوم جاتا ہے یہ سوچ نہیں سکتا کہ یہ اونٹ چرانے والے چرواہے عرب کے خانہ بدوش' بدو بھلا اتنی بڑی ریاست سے ٹکرا سکتے ہیں یا کسریٰ کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ کسریٰ کی سلطنت بہت وسیع' بہت پرانی حکومت' بہت دولت مند' بے شمار لاؤ لشکر' فوجیں' لیکن وہ کسی شے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ کیوں نہیں لاتے؟۔

انہیں یقین ہے کہ ہمارے ساتھ اللہ ہے۔ اس لئے ہمارے مقابلے میں کوئی طاقت' طاقت کہلوا ہی نہیں سکتی۔ ان کے ذہن میں یہ بات آتی ہی نہیں تھی کہ کسریٰ بڑی طاقت ہے۔ قیصر کتنی بڑی بادشاہت ہے۔ وہ کہتے بادشاہ اللہ ہے۔ طاقت اس کے پاس ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اچھا مزے کی بات یہ ہے کہ ان کے پاس یہی کتاب تھی اور ان کے پاس رسول ﷺ تھے جو ہمارے رسول ہیں۔ یہی کتاب تھی جو ہمارے پاس ہے۔ یہی نمازیں وہ پڑھتے تھے جو ہم پڑھتے ہیں۔ اسی طرح وضو کرتے تھے یہی عبادات ان کی' روزے' زکواۃ' حج سارے یہی تھے جو ہم کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم یہاں بیٹھے ڈرتے رہتے ہیں دنیا کی مختلف طاقتوں سے' دنیا کے مختلف نظاموں سے ہم یہاں بیٹھے کانپتے رہتے ہیں کہ جی امریکہ خفا ہو گیا تو پتہ نہیں کیا ہو گا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ امریکہ یہاں سے آکر افراد کو پکڑ کر لے جاتا ہے' وہاں جا کر مقدمے چلاتا ہے جیسے یہ کوئی جنگل ہو اور یہاں کوئی حکومت نہ ہو جس طرح کبھی افریقہ سے جنگیوں کو پکڑا کرتے تھے امریکہ اسی طرح پاکستان سے آکر بندوں کو پکڑ کر لے جاتا ہے۔ اس قدر کیوں مرعوب اور مغلوب ہیں ہم۔ فوجیں بھی ہیں' حکومت بھی ہے' حکمران بھی ہیں' بڑے بڑے محلات ہیں جن میں ہمارے حکمران رہتے ہیں اور بڑی ٹھاٹھ باٹھ ہے' بڑی اسمبلیاں ہیں' سینٹ ہیں اور بڑے اجلاس ہوتے ہیں' ضابطے بنتے ہیں۔ لیکن یہ سب دکھاوا ہیں جب ذرہ سی بات ہوتی ہے سارا پھُس ہو جاتا ہے۔ کیوں؟۔

انہوں نے روز اول جب لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا تو انہوں نے دنیا کے سارے ازموں کو لات مار دی اور طے کر لیا عمل اسی بات پر ہو گا جو اللہ کا رسول ﷺ بتائے گا۔ ہم اپنے سارے نماز روزے سمیت قرآن پر عمل کرنے سے قاصر ہیں۔ اگر ایک آدمی کھانا نہیں کھاتا وہ صرف مانتا ہے کہ یہ کھانا بہت اچھا ہے اور اس میں بہت وٹامن بھی ہیں۔ یہ

صحت کیلئے مفید بھی ہے' مگر کھاتا نہیں تو کیا صرف ماننے سے اسے کھانے کے وہ فوائد حاصل ہو سکیں گے؟ نہیں' کبھی نہیں۔ صرف ماننے سے کچھ نہیں ہو گا جب تک اسے عملاً" کھاتا نہیں ہے۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم نے اس کا اتباع چھوڑ دیا۔ اسلام کی تاریخ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں کہ اسی سرزمین پر مسلمانوں کی حکومت تھی اور اسی کے ساتھ سارا مڈل ایسٹ مسلمانوں کے زیر نگین تھا۔ مختلف ریاستیں تھیں۔

عیسائیوں نے تاتاریوں کو شیشے میں اتارا جو ان کا پرانا طریقہ واردات ہے۔ جوان بچیاں انہیں دیں۔ بادشاہوں کی بیگمات بنائیں امراء اور وزراء کی بیگمات بنائیں اور انہیں اس بات پر اکسایا کہ مسلمان حکمران جو ہیں ان کے پاس بڑی دولت ہے اور بڑے خزانے ہیں انہیں تاراج کیا جائے' انہیں لوٹا جائے۔ ایک سیل بلا تھا جو منگولیا سے نکلا اور اس طرف سارے چین کو تس نہس کر دیا اور اس طرف بڑھا تو ساری وسط ایشیائی' مڈل ایسٹ کی تمام مسلمان ریاستوں کو روندتا ہوا چلا گیا حتیٰ کہ دار الخلافہ بغداد بھی تاراج کر دیا۔ وہی تاتاری اور ان کی وہی فوجیں جب دریائے اٹک کے کنارے پہنچیں تو گھوڑے کی باگ کھینچ لی اس کے باوجود کہ وہ خوارزم شاہ کے بیٹے کا تعاقب کر رہے تھے ان سے مقابلہ کیا اور پھر وہ جان بچا کر اس طرف نکل آیا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جو اس نے اس دریائے سندھ کی لہروں میں اپنا گھوڑا ڈال دیا تھا اور تاتاری کنارے پر رک گئے تھے آخر کیوں آخر خوارزم شاہ کے بیٹے کا گھوڑا سندھ عبور کرتا ہے تو ہلاکو خان کا گھوڑا سندھ کا دریا عبور کیوں نہیں کرتا۔ اس کے جرنیلوں اور سپاہیوں نے گھوڑے کی باگیں کیوں کھینچ لیں۔ اس لئے کہ سندھ کے اس طرف شمس الدین التمش کی حکومت تھی بھئی اس طرف بھی تو مسلمانوں کی حکومتیں تھیں جنہیں وہ تاراج کرتے آرہے تھے۔ وہ مسلمان حکومت اپنی مرضی سے کر رہے تھے اور یہاں کا قانون قرآن تھا۔ فرق یہ تھا کہ اس سرزمین پر قرآن کی حکومت تھی' نام نہاد مسلمان کی نہیں تھی۔ خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے شمس الدین التمش اور انہوں نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس نے کبھی بلاعذر شرعی تہجد کی نماز نہ چھوڑی ہو۔ بغیر عذر شرعی عصر کی اور عشاء کی غیر موکدہ سنتیں بھی نہ چھوڑی ہوں اور کبھی بغیر عذر شرعی بلا وضو آسمان نہ دیکھا ہو۔ یعنی کبھی اندر سے ایسے نہ نکلے کہ اس کا وضو نہ ہو۔ تو جب ان کی وصیت کھولی گئی اس وقت پورا ہندوستان جمع تھا۔ پورے ہندوستان کے شیخ' بڑے بڑے مشائخ ان کے مرید' بڑے بڑے علماء ان کے شاگرد کم وبیش سارے ہندوستان کے اکابرین اور علماء صلحاء مشائخ اولیاء دہلی میں جمع تھے جب وصیت کھولی گئی تو کسی کو جرات نہیں ہوئی آگے بڑھنے کی کہ جنازہ پڑھایا جائے۔ جب دیر ہونے لگی تو سلطان الہند شمس الدین التمش آگے بڑھے اور انہوں نے جنازہ پڑھایا۔ اس پائے کے حکمران ہوتے تھے اور قرآن کی حکومت تھی خوارزم شاہ کے بیٹے نے جب گھوڑا دریائے سندھ میں ڈالا اور پیچھے سے تاتاری کنارے پر پہنچے تو جرنیلوں نے اجازت چاہی ہلاکو سے کہ زیادہ سے زیادہ پرلے کنارے تک پہنچ گا مل جائیں گے ہم بھی' گھوڑے ڈالتے ہیں۔ کہا نہیں' پرلے کنارے التمش کی حکومت ہے ہم ادھر نہیں جائیں گے۔ ہمارا ابھی المیہ یہ ہے کہ ہمارے پاس بھی مسلمانوں کی حکومت ہے اسلام کی نہیں۔ جب کہ تعلق باللہ کی شرط اتباع قرآن ہے فاتبعوہ۔ ھذا کتب انزلنہ مبرک۔ ہم نے یہ کتاب نازل فرمائی اور بہت ہی برکات ہیں اس میں لیکن "فاتبعواہ" اس کا اتباع کرو' اس پر عمل کرو' اسے اپناؤ اپنی عملی زندگی میں پھر اس کی برکات کا مشاہدہ کرو۔ واتقوا تمہیں اللہ سے تقویٰ نصیب ہو جائے' اللہ سے تعلق نصیب ہو جائے اور پھر لعلکم ترحمون' تم رحمت الٰہی کے مستحق ہو جاؤ تم رحمت الٰہی کو پاسکو۔

گویا کتاب پر عمل نہ کرنے سے دو نقصان ہوں گے۔ ایک تو تقویٰ نصیب نہیں ہو گا' اللہ سے تعلق نصیب نہیں ہو گا دوسرے رحمت کے مستحق نہیں ٹھہرو گے غضب کے مستحق ہو گے۔ حضرات گرامی! ہمارے ہاں بھی مسئلہ یہی ہے کہ نمازی بہت ہیں' تہجد خوان بہت ہیں' تبلیغ کرنے والے لوگ بے شمار ہیں' تسبیحات پڑھنے والے بے شمار ہیں' قاری بے شمار ہیں' ختم قرآن روز ہوتے ہیں' نکاح ہوتے ہیں۔ جنازے ہوتے

دنیا کے منافع کا امکان ہے' حقیقت یہ ہے کہ ہم دنیوی اعتبار سے بھی خسارے میں ہیں اس لئے کہ آپ جس رسم کی' جس رواج کی' جس طریقے کی پیروی کرتے ہیں اس طریقے کے لوگ جو ہیں فائدہ ان کو ہوتا ہے۔ آپ اگر اپنا طریقہ چھوڑ دیتے ہیں' کسی دوسرے کا اسلوب اپناتے ہیں تو اس کا جو فائدہ ہے وہ ان لوگوں کو ہو گا جو اس طریقے کے بانی ہیں۔ آپ کا فائدہ اس میں ہو گا جو آپ کا اپنا طریقہ ہے۔ چنانچہ معاشی طور پر ہم غلام بن کر رہ گئے۔ اب ہمیں دنیا کے مالیاتی ادارے یا کافروں کے مالیاتی ادارے جو ہیں وہ ہمیں اپنے ملک میں بھی ہدایات دیتے ہیں کہ افسر نکال دو' اتنی فوج کم کردو' اتنا ٹیکس بڑھا دو' فلاں چیز پر لگا دو فلاں پر گھٹا دو۔ بھئی ملک ہمارا' لوگ ہمارے' حکومت ہماری' لگائیں یا نہ لگائیں تم کون ہوتے ہو' کہتے ہیں جی کھاتے تو ہمارا ہو اس لئے ہم حکم دیں گے۔ تو معاشی اعتبار سے ہم جس فائدے کے لئے چلے تھے وہ فائدہ نہ ہوا بلکہ ہم غلامی میں جا پڑے۔

اب جن کو حکم دیا جا رہا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تعداد میں بہت کم ہیں۔ روئے زمین پر کفر پھیلا ہوا ہے اور کفر کے ادارے بہت مضبوط ہیں۔ قیصر و کسریٰ جیسے حکمران بیٹھے ہیں۔ پھر صدیوں سے رائج یہ نظام معاشرے میں رچ بس چکا ہے' لوگوں کے ذہنوں پر چھایا ہوا ہے کفر' کافرانہ نظام چل رہا ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔ فقاتلوا ائمتہ الکفر' کفر کے رہنماؤں سے' کافر لیڈروں سے یا ان اداروں سے جو کفر کی ترویج کرتے ہیں مقابلہ کرو' مقاتلہ کرو' اس لئے انھم لا ایمان لھم' اس لئے کہ ان کے پاس ایمان نہیں ہے اور تب تک ان سے جہاد کرو لعلھم ینتھون۔ ان کی بات کا اعتبار نہیں ہے ان کی کسی قسم' کسی وعدے کا اعتبار نہیں۔ لا ایمان لھم ان کی کسی قسم' کسی وعدے کا اعتبار نہیں ہے' کتنی عجیب اور کتنی واضح بات ہے کہ ہم جن کے وعدوں پر کفر سے سمجھوتے کر رہے ہیں اللہ کریم فرما رہا ہے ان کے کسی وعدے کا کوئی بھروسہ نہیں لا ایمان لھم ان کی کسی قسم کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ اگر وہ قسم اٹھا کر بھی وعدہ کریں تو اس کا بھی اعتبار نہیں اور ہاں البتہ تمہارا مقابلہ ہو سکتا ہے ان سے۔ انھیں ان کی ان حرکات سے روک دیں لعلھم ینتھون۔ ممکن ہے مقابلے میں عاجز آ کر وہ اپنی ان حرکات سے رک جائیں فرمایا۔

الاتقاتلون قوما نکثوا ایمانھم۔ کیا تم ایسے لوگوں سے مقابلہ نہ کرو گے جو ہمیشہ اپنا عہد توڑتے ہیں وھمو باخراج الرسول' اور جنھوں نے نبی کریم ﷺ کو اپنے معاشرے سے نکال دینے کا پکا ارادہ کر لیا ہے یعنی جن کی ساری کوشش یہ ہے کہ ہمارے ماحول' ہمارے معاشرے' ہمارے قانون' ہماری عدالت' ہماری سیاست' ہماری معیشت پر کہیں کوئی چھاپ محمد ﷺ کی نہ لگ جائے۔ وجہ جہاد کیا ہے؟ وجہ جہاد اللہ نے یہ فرمائی کہ انھوں نے طے کر لیا ہے کہ ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بالکل ہی نکال دیں۔ باخراج الرسول' خارج کر دیں حضور ﷺ کو معاشرے سے' شہروں سے' آبادیوں سے' ماحول سے' ضابطوں سے' سیاست سے' معیشت سے' قانون سے' کسی پہلو پہ کوئی چھاپ محمد رسول ﷺ کی نہ لگ جائے وھم بدء وکم اول مرۃ اور ہمیشہ عہد شکنی میں وہ پہل کرتے ہیں۔ اتخشونھم۔ مسلمانو! کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو۔ فرمایا نہ لڑنے کی ایک ہی وجہ ہے کہ تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین۔ اگر تمہارا ایمان کامل ہے تو پھر اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

سورۃ توبہ کے آٹھویں رکوع کی آیات کے نزول کے زمانہ میں اگرچہ اہل مکہ بہت بڑی طاقت تھے۔ مہاجرین کے پاس نہ وہ افرادی قوت تھی نہ معاشی اعتبار سے اتنے مضبوط تھے' نہ ہی کوئی دنیا کی سیاسی طاقت ان کے ساتھ تھی اس لئے اسباب' کافر معاشرے کے ساتھ تھے لیکن ارشاد ہوا فقاتلوا ائمتہ الکفر۔ اور اس کا سبب یہ بتایا وھمو باخراج الرسول۔ انھوں نے ارادہ کر لیا ہے طے کر لیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بالکل ہی خارج کر دیا جائے' شہروں سے' آبادیوں سے نکال دیا جائے۔ معاشرے سے نکال دیا جائے۔ ضابطوں سے'

لوٹ گئے لوٹ گئے لوٹ گئے' اس سے کوئی واپس نہیں لیتا۔ غریب جس کے پاس پہلے کھانے کو نہیں ہے اس پر اور ٹیکس لگا دیا تو بھائی وہ اربوں ڈالر جو لوگ لوٹ کر لے گئے اور جس پر اسمبلیاں ٹوٹیں وہ واپس کیوں نہیں لیتے ہو۔ اس لئے کہ وہاں قانون بے بس ہے' کافر قانون ہے نا۔ اور اگر اسلامی قانون ہوتا تو صدر بھی اس مواخذے کا مستحق ہوتا' وزیراعظم سے بھی ویسا ہی مواخذہ ہوتا' امراء اور وزراء کو بھی ویسے ہی گرفت ہوتی ہر ایک کا محاسبہ ہوتا۔

تو اب مقابلہ ہے وطن عزیز میں ایک طرف دین دار لوگ ہیں جو اسلامی نظام کو لانا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف دنیا ہے' دنیوی نظام ہے' کافرانہ نظام ہے' ظالمانہ اور جابرانہ نظام ہے اور ظالم وجابر اپنے جوروستم کو بدستور قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اب یہ فیصلہ اس ملک کے عام شہری پر ہے کہ وہ کس طرف شمولیت اختیار کرتا ہے۔ یہ یاد رکھیں' خدا جانے کیا ہوگا۔ لیکن دین کیلئے محنت کرنے والے محروم نہیں رہیں گے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انشاء اللہ دین نافذ ہو گا۔ بڑی سادہ سی بات ہے مجھے اس میں کبھی کوئی شک نہیں رہا۔ کل بھی بات ہو رہی تھی تو کچھ دوست کہہ رہے تھے کہ تم مجذوبوں جیسی باتیں کرتے ہو' ہم ابھی مجذوب نہیں ہیں' ہماری عقل سلامت ہے اس ملک میں یہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے ان سے یہی کہا کہ اپنے اپنے ایمان کی بات ہے بظاہر تو مجھے بھی اس کے کوئی آثار نظر نہیں آتے لیکن میرا دل مانتا ہے کیوں مانتا ہے۔ یہ میرے دل کی مرضی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہو گا۔ اسباب کے محتاج ہم ہیں اللہ نہیں ہے۔ وہ مسبب الاسباب ہے وہ خود اسباب اور نتائج پیدا کر دیتا ہے جب وہ کرنا چاہتا ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ ہمارے پاکستانی دانشور نہیں مانتے لیکن مغرب کے دانشور جو کافر ہیں وہ مانتے ہیں۔ کل بھی میں ایک آرٹیکل پڑھ رہا تھا ایک انگریزی اخبار میں تو اس نے بڑے وثوق سے لکھا کہ جن بنیاد پرستوں کو ہم روکنا چاہتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ اچانک وہی اس ملک پر غالب آجائیں گے۔ یہ جو مغرب کے کافر ہیں وہ لکھتے ہیں' انہوں نے بڑا لمبا تجزیہ کیا ہے' میں کل پڑھتا رہا اسے کہ اسلامی طاقتیں سیاسی جماعتیں بنیں' جماعت اسلامی بنی' جمعیت علمائے اسلام بنی ان میں بڑے بڑے لوگ بھی آئے لیکن وہ اسلام کیلئے کچھ نہیں کر سکے اور لوگوں میں بدنام ہو گئے اور فیل ہو گئے اور اب لوگ ان کی بات نہیں سنتے۔ ان کا' مغرب والوں کا تجزیہ تھا۔ پھر انہوں نے نیچے لکھا کہ ایک طاقت اور بھی ہے جو اقتدار کا نام نہیں لیتی وہ ہے تبلیغی جماعت' لیکن اس میں لاکھوں لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور وہ بنیادی دینی تعلیم دیتی ہے۔ پھر آگے وہ لکھتا ہے کہ یہ تبلیغی جماعت کے اکابرین کو بھی پتہ نہیں کہ وہ کس دیوار کیلئے یہ اینٹیں پکا رہے ہیں اور اس دیوار کو بنانے والا کون ہو گا لیکن وہ اینٹیں بنا رہے ہیں۔ جب اینٹیں بن رہی ہیں تو یقیناً" کوئی دیوار بھی' کوئی گھر بھی تعمیر ہوگا۔ آخر میں وہ لکھتا ہے کہ پھر وہی طاقتیں جنہیں ہم بنیاد پرست یا فنڈا مینٹلسٹ کہتے ہیں وہ لوگ کہیں سے اچانک نمودار ہونگے اور ان ساری طاقتوں کو میدان میں لے آئیں گے اور یہاں انقلاب آجائے گا۔ یہ مغرب کا کافر اس بات کے ساتھ متفق ہے' ہمارے یہاں کے دانشوروں کی سمجھ میں نہیں آتا لیکن کاش اللہ کرے عام مسلمان کی سمجھ میں آجائے۔ ہمارے ہاں دو طبقے ہیں' ایک جو پس رہا ہے مظلوم ہے' جس کے حقوق مسلسل چھینے جا رہے ہیں دوسرے وہ جو دوسروں کے حقوق پر عیش کر رہے ہیں۔ اب جو اوپر بیٹھے ہیں دوسروں کے حقوق پر عیش کر رہے ہیں وہ تو یہ سمجھنا بھی نہیں چاہتے کہ ہمارے اس موج میلے میں بھنگ پڑے گی وہ تو کہتے ہیں ایسا ہی رہے۔ لیکن قدرت کا بھی ایک قانون ہے ہر فرعون راموسیٰ۔ ہر باطل قوت کو حق چیلنج کرتا ہے اور جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔ فنا ہونا باطل کا مقدر ہے اور باقی رہنا حق کی خاصیت ہے انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا ہمیں فیصلہ یہ کرنا ہے کہ اللہ توفیق دے اور بروقت ہم ان قوتوں کا ساتھ دے سکیں جو نظام اسلام کے قیام کیلئے میدان عمل میں ہیں۔ آمین

اسلام اور کفر

مولانا محمد اکرم اعوان (خطبہ جمعۃ المبارک بمقام دارالعرفان، مورخہ 97-9-12)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ فقاتلوا ائمتہ لکفر انھم لاایمان لھم لعلھم ینتھون ○ الاتقاتلون قوما نکثو ایمانھم وھمو باخراج الرسول وھم بدءوکم اول مرۃ طاتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین○

اللہ جل شانہ نے اس دار دنیا کو آخرت کے لئے کھیتی کے طور پر بنایا ہے۔ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کے ارشاد گرامی کا ترجمہ بھی یہی ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یعنی دنیا میں جو عمل بھی ہم کریں گے اس کا پھل یہ ہے کہ آخرت کو وہی ہمیں پیش آئے گا۔ اگر اللہ کی اطاعت ہے تو اس پر انعام ہو گا نافرمانی ہے تو اسی پہ سزا ہو گی غرض یہ ہے کہ مقصد آخرت ہے اور دنیا ذریعہ ہے لیکن ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم نے دنیا کو مقصد بنا لیا اور اس کے ساتھ ہم آخرت بھی چاہتے ہیں لیکن اس طرح کہ دنیا اس پر قربان نہ کرنا پڑے۔ عبادات کے لئے تکلف نہ کرنا پڑے۔ آرام میں خلل نہ ہو' نیند خراب نہ ہو' حلال حرام کا تکلف نہ کرنا پڑے' پیسوں میں کمی نہ ہو جائے' دوسرے کا مال کھانے میں کوئی نہ روکے اور اس سب کے ساتھ ہم توبہ توبہ بھی کرتے رہیں اور نماز روزہ بھی کبھی کبھار کر لیا کریں کہ آخرت کی امید بھی رہے تو یہ اس طرح ممکن نہیں ہے بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگ یا وہ ادارے جو کفر کی غیر اسلامی روایات کی رہبری یا رہنمائی کرتے ہیں ان کے ساتھ جہاد کیا جائے' قتال کیا جائے' فقاتلوا ائمتہ الکفر' بجائے ان سے تعاون کرنے کے' بجائے ان کی اطاعت کرنے کے' بجائے ان کی بات ماننے کے' ان کے پیچھے چلنے کی بجائے ان سے مقابلہ کیا جائے۔ فقاتلوا ائمتہ الکفر لفظ امام جو ہے یہ کوئی شرعی منصب نہیں ہے امام نیکوں پر بھی بولا گیا ہے اور امام کافروں پر بھی بولا گیا ہے۔

اگر نیکی میں کوئی سبقت کرنے والا اور نیکوں کا پیشوا ہے تو اسے نیکوں کا امام کہا گیا ہے۔ امام بمعنی لیڈر شپ ہے کوئی بدکاروں یا کافروں کا پیشوا ہے تو اسے کافروں کا امام کہا گیا ہے۔ امام سے مراد ہوتی ہے ایسا شخص یا ایسا ادارہ جو سمبل بن جائے کسی چیز کا' جو سبب بن جائے اس کی ترویج کا' اور کفر کیا ہے؟ کفر کی سادہ سی تعریف یہ ہے کہ اسلام سے باہر سارا کفر ہے۔ یہ جو ہم نے "ٹپی کل TYPICAL سٹائل بنا رکھے ہیں نا یا مخصوص چیزیں ہم نے کر رکھی ہیں مثلاً" خدا کو نہ ماننا کفر ہے آخرت کو نہ ماننا کفر ہے یہ کفر ہے وہ کفر ہے' سادہ سی بات یہ ہے کہ اسلام کے باہر جو ہے اسے ہم کیا کہیں گے۔ دو ہی تو حالتیں ہیں یا اسلام ہے اور اگر اسلام نہیں ہے تو کفر ہے۔ اب ہماری صورت حال یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم کفر سے مقابلہ کرتے ہیں یا کفر سے تعاون اور سمجھوتہ نہیں کرتے تعاون کو بھی چھوڑ دیں' کفر سے اگر ہم سمجھوتہ نہیں کرتے تو ہماری دنیوی زندگی تنگ ہو جائے گی ہمارے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ ہم کیسے وقت گزار سکیں گے۔ اس لئے ہماری مجبوری ہے کہ ہم کفر کے ساتھ تعاون کریں یہ ہمارے سیاسی نظام کی کفر کے ساتھ تعاون کی ایک صورت ہے۔ ہمارا معاشی نظام جس کی بنیاد سود پر ہے' یہ کفر کے ساتھ تعاون کی ایک صورت ہے۔ اسی طرح ہمارا عدالتی نظام' کفر کے ساتھ تعاون کی ایک صورت ہے بلکہ ہمارا تعلیمی نظام جو ہے یہ بھی کفر کے ساتھ تعاون کی ایک صورت ہے اور جہاں وہ کافر معاشرہ روک دے وہاں ہم رک جاتے ہیں۔ اس میں ممکن ہے ہمارا دنیوی فائدہ ہو' یہ بھی ممکن ہے ہمیں بہت سی مالی امداد مل رہی ہو' یہ بھی ممکن ہے ہم بہت سی پریشانیوں سے بچے ہوئے ہوں۔ لیکن یہ تو سارے امکانات ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ اس سمجھوتے نے ہماری آخرت تباہ کر دی۔

ہیں' سارے کام ہوتے ہیں لیکن ہمارا نظام' ملک کی حکومت' حکمران' حکمرانی کا انداز' معاملات معیشت' معاشرت' سیاست' تعلیم و تعلم' عدالتیں یہ سارا کچھ کافرانہ ہے ظالمانہ ہے اور غیر اسلامی ہے۔ اب آپ اندازہ کیجئے کہ اس غیر اسلامی ماحول میں جس میں دنیا کے سارے علوم سوائے دین کے پڑھاتے جاتے ہیں' پورا معاشی نظام یہودیوں کے سودی نظام کے تابع ہے اور ہر آدمی جو نہیں چاہتا وہ بھی مجبور ہے' جب اس ملک میں رہتا ہے تو اسی ملک سے کھائے گا' اسی کی معیشت سے کھائے گا جو سود پہ استوار ہے۔ روزانہ قتل عام ہوتا ہے' لوگ مرتے ہیں' عام آدمی سے لیکر ہائی کورٹ کے جج تک مارے گئے اور کسی نے پرواہ نہیں کی۔ کل پرسوں چار امریکی مارے گئے تو پوری حکومت کو بے چینی اور بے قراری نے آلیا۔ جی' یہ نہیں مرنے چاہئیں تھے۔ پوری کیبنٹ کا اجلاس ہوا یعنی حافظ حدیث' مفسر' فقیہہ' مفتی اس پائے کے عالم قتل ہو گئے اس کراچی میں' تو اجلاس نہیں ہوا' کابینہ کو تکلیف نہیں ہوئی' جن کے سینوں میں نور قرآن تھا' جن کا رات دن قال اللہ وقال الرسول ﷺ میں گزرتا تھا اور جن کی ساری زندگی بچپن سے لیکر موت تک مساجد اور مدارس میں بسر ہو گئی' سربازار انہیں شہید کر دیا گیا' حکومت ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ چار کافر مارے گئے ساری حکومت بھاگ رہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارا نظام کافرانہ ہے۔ حقیقتاً" ہم ان کے تابع ہیں۔ کافر نہیں مارے گئے ہمارے چار بادشاہ مارے گئے۔ آقا مارے گئے۔ تو یہ کون سی مسلمانی ہے جو ہمیں کافروں کی غلامی پہ مجبور کرتی ہے۔ ارے مسلمان تو بندہ حر ہوتا ہے آزاد آدمی ہوتا ہے اسلام اور غلامی دو چیزیں یکجا نہیں رہ سکتیں۔ اسلام محکوم ہو کر نہیں رہتا۔ اسلام خود حاکم ہے' اللہ کا قانون ہے۔

تو وطن عزیز میں اصل مقابلہ جو ہے وہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ میں نہیں ہے' وہ سیاسی جماعتوں میں نہیں ہے' اصلی مقابلہ جو ہے وہ ہے دو طاقتوں میں۔ ایک وہ لوگ جو اس سارے نظام کو ہٹا کر اس کی جگہ اسلام لانا چاہتے ہیں اور ایک وہ لوگ جو اس کافرانہ نظام کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اب یہ ہماری' علماء کی' پیروں کی' مشائخ کی کمزوری کہ ہم عام آدمی کو سمجھا نہیں پا رہے اور ان کی عیاری اور بدمعاشی کہ یہ عام آدمی کو ساتھ ملا لیتے ہیں اور یوں عام آدمی کو دھوکا دیتے ہیں عام آدمی بیچارہ یہ بھی نہیں سمجھتا کہ اگر اسلام آئے گا تو دنیوی طور پر بھی عام آدمی کو فائدہ ہو گا۔ مثلاً" آج ہمارا بچہ تعلیم یافتہ بھی ہو' درخواست لے کر جاتا ہے کارخانہ دار کے پاس' وہ کارخانہ دار دھکا دے کر نکال دیتا ہے۔ سولہ سولہ پڑھ کے بچے روئی کی گانٹھیں اٹھا رہے ہیں' مزدوری کر رہے ہیں لیکن وہ کارخانہ ہے کس کا؟ چوہدری صاحب کا' میاں صاحب کا' خان صاحب کا' ملک صاحب کا' وڈیرے کا' خانزادے کا' ارباب کا' پیسے کس کے لگے ہوئے ہیں؟ پیسے تو اس عام آدمی کے ہیں۔ کہ کوئی فیکٹری ایسی نہیں ہے' کوئی کارخانہ ایسا نہیں ہے جو قومی خزانے سے پیسے لیکر نہ لگایا گیا ہو۔ اور قومی خزانہ تو ایک عام آدمی کا خون ہے جو ٹیکسوں کی صورت میں اس کے بدن سے نکالا جاتا ہے۔ جس کا سرمایہ ہے اس کا بیٹا درخواست لئے پھرتا ہے اسے مزدوری بھی نہیں ملتی اور جس نے اپنا دھیلا بھی نہیں لگایا وہ مالک ہے۔ اسلام آجائے تو ان کے مالک وہ ہوں گے جن کا سرمایہ ہے۔ منافع انہیں جائے گا' عام آدمی کے سر سے ٹیکسوں کا بوجھ اتر جائے اور یہ اربوں روپیہ منافع جو یہ کھا جاتے ہیں وہ قومی خزانے میں آجائے' آپ اپنے قانون کی حالت دیکھیے ایک عام آدمی کو بلاوجہ پکڑ لیا جاتا ہے پھر وہ آٹھ دس سال رگڑے کھا کھا کر زمین بک گئی رہن ہو گئی گھر اجڑ گیا بچوں کی تعلیم گئی دس سال بعد کہتے ہیں جی سپریم کورٹ کہتی ہے یہ بے گناہ ہے۔ شاباش۔ وہی قانون جب ان بڑے لوگوں کے پاس جاتا ہے تو ان کے جوتے اٹھاتا ہے۔ جب ان کے بچے جرم کرتے ہیں تو پکڑنے والے کو توجہ فرمائیں کہ پکڑنے والے کو سزا ملتی ہے۔ پچھلے دنوں وفاقی وزیر کا بیٹا جرم کرتے ہوا اسلام آباد میں پکڑ لیا' پکڑنے والے پولیس انسپکٹر کو برخواست کر دیا گیا ایک ہی قانون ہے' ایک ملک کے شہری ہیں' ان کے بیٹے پچاس پچاس گاڑیاں لاتے ہیں کوئی ٹیکس نہیں PAY پے کرتا۔ بیچ دیتے ہیں کروڑوں روپے کما لیتے ہیں۔ غریب آدمی کے پاس چند بیگھے زمین کے تھے' سال بھر مشقت کرکے دو وقت کی روٹی کھاتا تھا۔ فرمایا ! اس پر ٹیکس لگا دو۔ جنہوں نے لوٹا اور خود صدر نے' وزیراعظم نے' اسمبلی نے کہا'

قوانین سے' سیاست سے' معیشت سے۔ کوئی ایسا شعبہ نہ ہو ہمارا جس پر حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی مہر لگ جائے۔ ہماری عادت ہے جب عذاب کی آیات آتی ہیں' فرعون نمرود اور ابوجہل کے حق میں سنا کر آگے نکل جاتے ہیں اور جب انعام کی بات آتی ہے تو بے شک ہم بزرگوں کا نام بھی لیتے ہیں لیکن ساتھ خود کو بھی شامل رکھتے ہیں قرآن حکیم اصول بیان فرماتا ہے۔ اب یہ صرف اہل مکہ یا اہل مدینہ کے لئے نہیں بلکہ قرآن کا نزول خاص ہو تو آیات کا حکم عام ہوتا ہے اور قرآن آخری کتاب ہے اللہ کی اور قیامت تک کے لئے ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی ایسا معاشرہ وجود پذیر ہو جس کی قیادت کافروں کے ہاتھ میں ہو' وہیں جہاد فرض ہو جائے گا۔ اس میں خواہ دنیوی نقصان ہو' جان کا اندیشہ ہو' مال کا اندیشہ ہو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ جان یہ مال ویسے بھی ایک روز جانے والا ہے۔ یہ گھر بار یہ جان و مال یہ وجود یہ رونقیں' یہ دنیا کی آبادیاں یہ چھوڑ چھاڑ کر ایک دن ہر ایک کو جانا ہے اور ان سب کو فنا کے گھاٹ اترنا ہے۔ لہذا آخرت کو دنیا کے معیار سے پرکھنا کہ دنیا میں کوئی نقصان نہ ہو' غلط ہے۔ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ایک طرف نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اگر آدمی آخرت کے نقصان سے بچنا چاہتا ہے تو اسے دنیوی نقصان برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ اور اگر دنیا کے نقصان سے محفوظ رہنا چاہے تو پھر اخروی نقصانات محفوظ کرنا پڑتے ہیں لیکن یہ حکم کن لوگوں کے لئے ہے۔ ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ یہ حکم مسلمانوں کیلئے ہے۔ مسلمان کون ہوتا ہے نبی علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا' کہ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین' اوکما قال رسول ﷺ۔ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ سے' اس کی اولاد سے' اس کی اپنی جان سے عزیز تر نہ ہو جاؤں۔ یعنی میری خاطر اگر اسے والدین قربان کرنا پڑیں کر دے' اولاد قربان کرنا پڑے' کر دے۔ جان مال قربان کرنا پڑے' کر دے۔ اور اس سودے کو سستا سمجھے۔ یہ مسلمانی ہے۔ تو کہنے کو تو ہم سب کہتے ہیں لیکن عملی زندگی میں ہم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ اگر معاشرہ سودی ہے تو کم از کم ہم اپنی ذات تک تو سود کھانا چھوڑ دیں۔ اس پر تو کوئی پابندی نہیں۔ ہمیں یہ تو کوئی گن پوائنٹ پر کوئی بندوق لے کر ہمیں نہیں کہتا کہ تم سود کھاؤ تو کم از کم خود تو کھانا چھوڑ دیں۔ لیکن بڑے بڑے نمازی' بڑے بڑے پرہیزگار' بڑے بڑے مبلغ سود کھا رہے ہیں۔ جب اپنی بات آتی ہے تو پھر مجبوری بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا ہمارے لئے مجبوری کیوں نہیں بنتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہماری لئے کیوں مجبوری نہیں بنتی ہے۔ آخرت کی کامیابی حاصل کرنا ہمارے لئے کیوں مجبوری نہیں بن جاتا ہے۔ نبی علیہ الصلواۃ والسلام کا اتباع نصیب ہو جائے تو مجبوری کس جانور کا نام ہے اور اگر ہم اپنی مجبوری کو اتنی اہمیت دیں کہ وہ ہمیں اتباع رسالت ﷺ سے محروم کر دے تو پھر یہ ایمان کے منافی ہو جاتا ہے۔ اسے پھر مومن کہنا مشکل ہو جائے گا۔ اگرچہ ہم اپنا دعوی کرتے رہتے ہیں لیکن فیصلہ ہمارے دعوے پر نہیں ہوگا۔ فیصلہ اللہ کریم کی پرکھ پر اور اللہ کے فیصلے پر ہو گا اور وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ حیرت ہوتی ہے ہماری مسلمانی پر کہ نصف صدی ہو گئی اللہ کریم نے ہمیں ایک آزاد وطن دیا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ اس کا پچاس سالہ جشن آزادی منایا جا رہا ہے اگرچہ پچاس سالہ جشن ہمیں زیب ہی نہیں دیتا اس لئے کہ جس ملک کو پچاس سال ہوئے ہیں ہم وہ ملک ضائع کر چکے ہیں جو پاکستان 1947ء کو آزاد ہوا تھا وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہمارے پاس جو پاکستان ہے وہ 1971ء میں وجود میں آیا تھا تو وہ پچاس سال نہیں بنتے۔ ہمیں وہ پچاس سالہ جشن زیب ہی نہیں دیتا اس کے باوجود انتہائی ڈھیٹ بن کر اور عوام کو دھوکا دے کر' لوگوں کا حافظہ بھی کمزور ہے اور لوگوں میں اتنا شعور بھی نہیں کہ وہ تجزیہ کر سکیں' تو لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے گولڈن جوبلی کے نام پر اربوں روپے لٹائے جا رہے ہیں' جشن منایا جا رہا ہے۔ لیکن آپ اگر ہندوؤں کا جشن دیکھیں وہ کس طریقے سے منا رہے ہیں اپنا پچاس سالہ جشن تو ان کے فوجی اداروں سے لیکر عام پبلک تک'

ہر جگہ ان کی مذہبی رسومات کا زور ہے۔ ان کے جو مذہبی لوگ ہیں وہ سیٹلائٹ پر تقریریں کر رہے ہیں۔ سارا سارا دن وہ پروگرام چلتے ہیں۔ وہ ڈھول باجے تاشے گاجے لیکر بت خانوں میں رقص کر رہے ہیں' ناچ رہے ہیں۔ یہ ان کا طریقہ عبادت ہے۔ بہرحال وہ اپنی طرز پر اپنے بتوں کو' اپنے دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ اپنے مذہب' اپنے عقیدے کے مطابق۔ اس جشن کو یا خوشی کے اظہار کو ہم مغرب میں دیکھتے ہیں' اہل مغرب کا ایک اپنا انداز ہے۔ شراب پیتے ہیں' مرد عورتیں اچھل کود کرتے ہیں' اکٹھے گاتے ناچتے ہیں' وہ ان کی تہذیب ہے ان کا انداز ہے وہ کرتے ہیں۔

ہم الحمد اللہ مسلمان ہیں۔ یہ ملک پاکستان ہے۔ اسلامی ریاست ہے۔ اس میں بھی یہ تماشہ ہے ہمارا کہ ریاست کا جو آئین میں نام دیا گیا ہے وہ ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور جمہوریت ایک الگ ضابطہ حیات ہے۔ اسلام میں سارے اختیارات ساری طاقت اللہ کے پاس ہے اور جمہوریت میں یہ ہے کہ عام آدمی سے جھوٹ بولا جائے کہ طاقت تیرے پاس ہے۔ جو جمہوریت کے بنانے والے ہیں نا ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں

To Give a False Impression

کہ عام آدمی کو یہ دھوکا دیا جائے کہ تو اقتدار میں شریک ہے۔ اب اس میں اور اسلام میں کون سی قدر مشترک ہے کہ اسے اسلامی جمہوریہ کہا جاتا ہے۔ یہ اپنی سمجھ میں بات نہیں آئی کہ یہ آئین میں کس طرح سے اسے اسلامی جمہوریہ کہا گیا۔ یا اسلامی کہو یا جمہوری کہو۔ ایک بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن اسلام کا اور جمہوریت کا جوڑ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے باوجود بھی بنیاد تو اسلام پر ہے اسلامی جمہوریہ ہے۔ جیسے اسلامی کفر کہہ دیا جائے یا اسلامی بدکاری کا اڈا کہہ دیا جائے یا اسلامی جوا خانہ کہہ دیا جائے' اس طرح ہم اسلامی جمہوریہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ تو بنیاد تو اسلام پر ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کے تہوار کا جو انداز ہوگا' خوشی منانے کا جو انداز تشکر ہوگا اسلام میں' تو جو خوشی منانے کا انداز ہے وہ معروف ہے کہ دو عیدیں ہیں اور دونوں موقعوں پر خوشی کے اظہار کے لئے لوگ نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ ایک دوسرے کو کھانا کھلاتے ہیں اور سجدہ شکر ادا کرتے ہیں۔ پانچ نمازوں کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرنے کے لئے' اس کی بڑائی بیان کرنے کے لئے' یہ اسلام کا طریقہ ہے خوشی منانے کا۔ تو اگر اسلام کے حوالے سے ہم نے منانا تھی تو ہمیں بھی مساجد میں ہونا چاہئے تھا' جلسے ہو رہے ہوتے' سیرت طیبہ بیان ہو رہی ہوتی' اللہ کی عظمت بیان ہو رہی ہوتی' کوئی دنیا کا آخرت کا احوال بیان ہو رہا ہوتا' لوگوں کو اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دی جا رہی ہوتی' یہ سب کچھ بھول بھال کر ہم نے کچھ رسمیں ہندوؤں سے لے لیں' یہ عورتوں کا گانا بجانا' ڈھول ڈھمکے' آج کتنے دن ہو گئے وہ ٹیلی ویژن پر لگے ہوئے ہیں اور بڑے اہتمام سے پورے پاکستان' سارے ملک کے کنجر اکٹھے کرکے' اس پر کروڑوں روپیہ خرچ کرکے جشن منایا جا رہا ہے یا پھر مغرب کی طرح شراب پی جا رہی ہے اور کلبوں میں اچھل کود ہو رہی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہماری اپنی' ہمارے ملک کی کوئی شناخت نہیں ہے کہ کسی جشن پر کسی تہوار پر بھی ہماری اپنی یا ہماری اپنی تہذیب کی یا ہمارے اپنے مذہب کی یا ہمارے اپنے عقیدے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر اس بات پر ہم سب راضی ہیں تو پھر کفر کس جانور کا نام ہے اگر یہ سب مسلمانی ہے تو ہم کفر کس کو کہیں اور حیرت اس وقت ہوتی ہے کہ جب یہ بات کی جائے کہ وطن عزیز میں یہ جو نظام ہے یہ اسلامی ہونا چاہئے تو ہمارے دانشور حیران رہ جاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ممکن ہی نہیں یعنی ہمارا سیاسی دانشور یا ہمارا ادبی دانشور ہمارے ادیب اور لکھنے والے لوگ یا ہمارا صحافی بھی حیران ہو جاتا ہے' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اب اس مسلمانی کی سمجھ میرے پلے نہیں پڑتی کہ مسلمان بھی کہلاتا ہے اور یہ بھی سوچتا ہے کہ اسلام کے مطابق زندگی تو ممکن ہی نہیں' زندگی تو کفر کے مطابق گزرے گی تو مسلمان کس بات کا ہے اور یہ سوچ ہمارے ایک عام آدمی سے لیکر ہمارے اعلیٰ سے اعلیٰ صدر اور وزیراعظم تک یہی سوچ ہے یہ کیوں ہے شاید

اس' لئے کہ ہمارے دلوں میں دنیا کی محبت گھر کر گئی ہے۔ آخرت' آخرت کا نام دین' اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ یہ زبانوں پر رہ گیا ہے یہ ساری بات زبانوں پر حلق سے اوپر رہ گئی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دین اور قرآن' لوگوں کی زبانوں پر ہوگا' حلق سے اوپر اور اس سے نیچے دنیا بھری ہوگی۔ آج یہی حال ہم دیکھ رہے ہیں حیران تو اس بات پر ہونا چاہیے تھا کہ ایک ملک میں چودہ کروڑ مسلمان بستے ہیں اور قانون' نظام کافر کا ہے۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ ملک مسلمانوں کا ہے' اور چودہ کروڑ مسلمان ہیں' وزیراعظم مسلمان ہے' صدر مسلمان ہے' وزراء اعلیٰ مسلمان ہیں' مرکزی وزیر مسلمان ہیں' صوبائی وزیر مسلمان ہیں' انتظامیہ مسلمان ہے' فوج مسلمان ہے' پبلک مسلمان ہے اور نظام کافر کا ہے یعنی حیرت کی بات تو یہ تھی یہاں حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ اسلام کا نظام آئے' یہ بڑی عجیب بات ہے' یہ تو ممکن ہی نہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم پھر نام کے مسلمان رہ گئے۔

اس سمع خراشی سے میری مراد یہ ہے کہ ہم کچھ بھی نہ کر سکیں تو کم از کم اپنے اس وجود پر اسلام کو ضرور نافذ کیجئے' اپنے کردار میں' رزق حلال کمایئے اور جس کام کی آپ تنخواہ لیتے ہیں وہ کام دیانت داری سے کیجئے۔ دوسروں کو تکلیف پہنچانے کی بجائے دنیا میں کسی کو آرام پہنچانے کی فکر کیجئے۔ اگر آپ نے کسی کے لئے بہتری سوچی بھی' اس پر عمل نہ بھی کر سکے تو سوچنے پر بھی اللہ کی رحمت متوجہ ہوگی اور ثواب ہوگا اور اپنے کو بری الذمہ نہ سمجھئے۔ اپنی کوشش میں ضرور رہیے کہ اللہ کرے اس سرزمین کو ہم اللہ کے نام سے آشنا کر سکیں۔ یہ انسانی خون' یہ دہشت گردی' یہ قتل وغارت' یہ لوٹ مار' یہ ظلم یہ جور و جفا اس میں سے کچھ بھی اسلام نہیں ہے۔ یہ سب کچھ غیر اسلامی ہے اور یہ ساری تباہی اس غیر اسلامی اور کافرانہ نظام کی دی ہوئی ہے۔ آج اگر صرف قتل کی شرعی سزا رائج کر دی جائے اور ہر عدالت کو حکم دے دیا جائے کہ قاتل کا سر قلم ہوگا تو سارے دہشت گرد رک جائیں گے۔ اس کافرانہ نظام میں جگہ جگہ سوراخ ہیں Holes ہیں Loop ہیں سفارش کے' رشوت کے' تو لوگ نکل جاتے ہیں اس کے شکنجوں میں سے۔ چونکہ اس میں انصاف نہیں ہے اور یہ کافر کا بنایا ہوا جال ہے دشمنوں کو پھانسنے کے لئے' مجرموں کو نہیں' جس پر حکومت خفا ہو وہ پھنس جاتا ہے۔ جس پر حکومت کی ناراضگی نہ ہو وہ نکل جاتا ہے۔ تو اللہ کریم ہمیں توفیق دے اور ہمارے حکمرانوں کو بھی یہ توفیق دے اور انہیں یہ شعور بھی دے کہ وہ اس ملک پر اس ملک کے لوگوں کے ایمان کے مطابق نظام نافذ کریں۔ آمین۔

وعدہ' رب کریم

1- تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے' وہ ان کے لئے قوت دے گا۔ اور ان کے اس خوف کے بعد امن کر دیگا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو شخص بعد اس کے ناشکری کرے گا تو وہی فاسقوں میں سے ہے۔

2- بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے غلبہ کو ایمان والوں سے ہٹا دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کسی دغا باز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا۔

3- اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بے شک وہ انہی میں سے ہوگا۔

4- اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر اور تیز ہوں گے وہ کافروں پر۔ جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والوں کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور بڑے علم والے ہیں۔

دہر میں اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجالا کردے

مولانا محمد اکرم اعوان (خطبہ جمعۃ المبارک بمقام دارالعرفان' مورخہ 97-11-28)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ ثم اجتبٰہ ربہ فتاب علیہ وھدی ○ قال اہبطا منھا جمیعا بعضکم لبعض عدو۔

سورۃ طٰہٰ میں سولہویں پارے میں یہ ایک چھوٹا سا ٹکڑا ایک سو بائیسویں آیہ کریمہ ہے یہ نشان دہی کرتی ہے اس بات کی جو مقصد حیات ہے۔ ایک خط تھا میرے پاس اور اس خط کا مضمون یہ تھا کہ درد دل کیا شے ہے اور وہ کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے میں نے قرآن حکیم کھولا میری عادت ہے ہمیشہ یہاں بیٹھ کر کتاب اللہ کو کھولا کرتا ہوں مجھے پتہ نہیں ہوتا کہ سٹیج پر کیا کہنا ہے اب جو آیہ کریمہ آگئی اور بھی بے شمار آیات میں اس کا جواب موجود ہے لیکن یہ آیہ مبارکہ بھی اس صورت حال سے آگاہ فرما رہی ہے جو آدم علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش آئی میں اس لمبے واقعہ میں نہیں پڑنا چاہتا قرآن میں بھی مذکور ہے اور آپ نے پڑھا بھی اور سنا بھی کہ شیطان نے دھوکہ دینے کی کوشش کی اور پھر اس کے نتیجے میں جب انہوں نے وہ ممنوعہ شجر جو اکثر کے نزدیک گندم کا دانہ تھا بعض اس کی دیگر توضیحات بھی کرتے ہیں وہ کھا لیا تو اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے اثرات ظاہر ہو گئے اور وہ خاص حجاب جو جنت میں رہنے کے لئے وجود پر تھا وہ خاص نظام جو جنت کا تھا اس کی جگہ دنیا کا نظام آگیا۔

فبدت لھما سواٰتھما' ان سے وہ حجاب ہٹ گیا۔ وجود ظاہر ہو گئے اور طفقا یخصفٰن علیھما من ورق الجنۃ' تو بڑے بڑے پتے لیکر درختوں کے انہوں نے ستر ڈھانپے اور ارشاد ہوتا ہے وعصٰی اٰدم ربہ' آدم علیہ السلام سے غلطی ہو گئی اس لئے فغوٰی کہ وہ شیطان کی باتوں کے دھوکے میں آگئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اللہ کے نبی کو یہ احساس ہوا وقاسمھما شیطان نے جب اللہ کی قسم دی تو انہوں نے سمجھا کوئی صحیح بات کر رہا ہے۔ کون اللہ کی جھوٹی قسم کھانے کی جرات کرے گا بہرحال جو ہوا اس کے بارے میں جو بھی کسی کی رائے ہے اس قصے میں ہم نہیں پڑتے بلکہ بات یہ ہے کہ اس سب کے بعد اللہ نے ثم اجتبٰہ ربہ اللہ کریم نے آدم علیہ السلام کو اپنے لئے' اپنی ذات کے لئے' اپنے ساتھ محبت کے لئے' اپنے ساتھ ایک خاص رشتے کے لئے پسند کر لیا۔ ثم اجتبٰہ' اللہ نے ان کو نوازا' ان پر مہربانی فرمائی اور وہ نوازش' وہ کرم' وہ مہربانی' وہ اجتبٰہ وہ کیا تھا فتاب علیہ' اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ جو کچھ ہو چکا تھا سارا معاف کر دیا۔ جو بیت چکا تھا اس میں آدم علیہ السلام پر جو رنجش تھی یا جو آدم علیہ السلام کی غلطی شمار ہو رہی تھی یا کچھ بھی' فرمایا ! جو کچھ بھی تھا فتاب علیہ۔ اللہ کریم نے سارا معاف کر دیا۔

وھدٰی' اور انہیں نور ہدایت سے سرفراز فرمایا اپنی طرف ان کے مزاج' ان کے قلب' ان کے ضمیر' ان کی مراد' ان کی توقعات' ان کی خواہشات' ان کی آرزوؤں کو' ان کے دل کو' ان کے دماغ کو پوری طرح سے اپنی طرف پھیر دیا۔ اب یہ ہے درد دل۔ بنیادی طور پر جو انسان کو نصیب ہوا وہ یہ درد دل ہے جو آیہ کریمہ بتا رہی ہے جس میں آدم علیہ السلام سے غلطی ہوئی۔

شیطان سے جب غلطی ہوئی تو اس نے کہا کہ اے اللہ تو نے مجھے گمراہ کیا۔ اگر تو چاہتا تو میں ضرور سجدہ کرتا۔ تیرا ہی منصوبہ یہ تھا کہ میں سجدہ نہ کروں۔ اس نے اپنی اس غلطی کو ذات باری کے ذمہ لگایا اور آج بھی اکثر وہ لوگ جن کے دل میں عظمت الٰہی نہیں ہے جو درد دل سے آشنا نہیں ہیں' ہر غلطی پر یہی کہتے ہیں کہ تقدیر میں یہی ہو گا' اللہ کو یہی منظور تھا۔ یہ وہ بات ہے جو شیطان نے پہلے دن کہی تھی آج بھی اگر معاشرے میں دیکھیں تو جب کوئی کام درست ہو جائے تو آدمی اس کا ایوارڈ لیتا ہے کہ میں نے اس پر محنت کی' میں نے اس کو مشورہ دیا' اس میں میں نے مدد کی' یہ میری تجویز بھی اس لئے یہ کام درست ہوا۔ جب خراب

خراب ہو جائے تو کہتے ہیں اللہ کو یہی منظور تھا۔ کوئی ڈاکہ ڈالے چوری کرلے قتل کر دے تو وہ کہتے ہیں اللہ کو یہی منظور تھا حالانکہ اللہ نے اس سے منع کیا تھا کہ ایسا مت کرنا۔ یہی کام شیطان نے کیا تھا جو قصور اس سے ہوا اس نے کہا' تو قادر ہے ہر چیز پر' اگر تو چاہتا تو میں سجدہ کیسے نہ کرتا۔ تیرا ہی قصور تھا کہ یہ سجدہ نہ کرے۔

آدم علیہ السلام نے دوسرا راستہ اپنایا فرمایا اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولایغفر ذنوب الاانت فغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم۔ فرمایا اے اللہ میں نے جو غلطی سے یہ دانہ کھالیا عمداً" نہیں' غلطی سے چونکہ قرآن بھی گواہی دیتا ہے' فغوی انہیں دھوکا ہوا انہوں نے قرب الہی کی نیت سے ایسا کیا۔ کیونکہ قسم شیطان نے کھائی تھی کہ اس سے تمہیں اور قرب نصیب ہو گا۔ تو جو یہ غلطی مجھ سے ہوگئی یہ میں نے اپنے آپ پر بہت بڑی زیادتی کی ہے اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا بہت بڑا ظلم میں نے اپنے آپ پر کر دیا فغفرلی مغفرۃ من عندک اب تیری بخشش جو تیری شان کے مطابق ہے وہ بخشش ملے تو میری یہ خطا جو ہے یہ بخشی جائے گی وارحمنی تو مجھ پر رحم فرما۔ واغفرلی' مجھے معاف کر دے۔

تو آدم علیہ السلام کا رویہ یہ تھا کہ اللہ ! قصور میرا ہے میں نے عمداً" نہ کیا۔ مجھ سے غلطی سے ہو گیا لیکن قصور تو مجھ سے ہوا۔ میں تیری رحمت کا طالب ہوں تو رب کریم نے وہ دعا قبول فرمائی فتاب علیہ جو کچھ تھا یعنی کسی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ بڑا تھا یا چھوٹا' جو کچھ بھی تھا معاف کر دیا۔ تو درد دل کی بنیاد یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ احساس پیدا ہو کہ میں مخلوق ہوں' میرا ایک خالق ہے' میں محتاج ہوں' میرا ایک آقا ہے' میں ضرورت مند ہوں اور میری ضرورتوں کا ایک مرکز ہے اور مجھے کسی حال میں بھی اس سے الگ نہیں ہونا چاہئے' اس کی ناراضگی نہیں مول لینی چاہئے۔ اسے خفا نہیں کرنا چاہئے۔ اگر مجھ سے تھوڑی ہی بھول ہوئی ہے یا زیادہ ہوئی ہے بہرحال مجھے اس کی معافی اس ذات سے طلب کرنا چاہئے۔ یہ احساس پیدا ہو' اس احساس پر نصیب ہوتی ہے توبہ فتاب علیہ اللہ کی طرف سے بخشش اور اس بخشش کا اثر یہ ہوتا ہے' کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ میں نے توبہ کی وہ قبول ہوئی یا نہیں تو اس کی قبولیت کی سند یہ ہے کہ اسے ہدایت نصیب ہو جائے۔ آدمی نے توبہ کی اور پھر اسے اصلاح احوال نصیب ہوگئی۔ اسے یاداللہ نصیب ہو گئی' عبادت میں باقاعدگی آگئی' وہ حرام سے بچنے لگا' جھوٹ سے بچنے لگا' اللہ کی نافرمانی سے بچنے لگا تو گویا وہ توبہ قبول ہو گئی۔ اب کیفیت جس نے اُسے توبہ پر مجبور کیا' یہ احساس و شعور جس نے اس میں یہ درد پیدا کیا کہ وہ توبہ کیلئے بڑھا اور اس توبہ میں اتنی حقیقت تھی' اتنی سچائی تھی کہ وہ محض رسماً نہیں تھی۔ وہ محض رواجاً" نہیں تھی' اس میں اتنی سچائی تھی کہ اللہ نے اسے قبول فرمایا۔ دیکھیں ایک دل سے جو بات آتی ہے اس میں ایک طاقت ہوتی ہے۔ ہم جو بات کرتے ہیں اس کی اپنی ایک طاقت ہوتی ہے۔ ہم ایک آدمی کیلئے کہتے ہیں اللہ تجھے سلامت رکھے ! لیکن ہم رواروی میں کہہ جاتے ہیں وہی بات ہم جب اپنے کسی بیٹے یا کسی عزیز سے کہتے ہیں جب کہ وہ کہیں سفر پر جا رہا ہے' کہیں جنگ پر جا رہا ہے یا کہیں مشکل حالات میں جائے تو جملہ وہی ہم کہتے ہیں کہ "اللہ تجھے سلامت رکھے" لیکن اس جملے کے پیچھے ایک درد ہوتا ہے' ایک فکر ہوتی ہے کہ کہیں یہ بچہ ضائع نہ کر بیٹھیں' کہیں اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ جملہ وہی کہتے ہیں اللہ آپ کو سلامت رکھے لیکن اس کے پیچھے ایک درد ہوتا ہے یہ جو درد ہوتا ہے' جب یہ ہماری توبہ کے پیچھے ہو اور وہ توبہ قبول ہو تو اس کو درد دل کہتے ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ درد کہاں سے آتا ہے۔

ایک تو بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ نے تخلیقی طور پر ہر ذی شعور آدمی میں یہ شعور رکھ دیا ہے۔ ہر بندے کے دل میں یہ بات ہے تخلیقی طور پر کل مولدیولدعلی فطرۃ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ! ہر پیدا ہونے والا فطری قاعدوں کے

مطابق پیدا ہوتا ہے جو جو چیزیں فطرت نے انسان کو عطا کی ہیں وہ اس میں ہوتی ہیں۔ جس طرح ہر پیدا ہونے والے کی دو آنکھیں ہوتی ہیں، دو کان ہوتے ہیں، دو ہاتھ ہوتے ہیں، دو پاؤں ہوتے ہیں، پیٹ ہوتا ہے، سر ہوتا ہے، اعضاء وجوارح ہوتے ہیں الا ماشاءاللہ بہت کم ہوتا ہے اصول تو یہی ہے نا اب کوئی پیدائشی بیمار ہو یہ الگ بات ہے لیکن وہ سارے تو نہیں ہوتے ہیں نا۔ اصول تو یہ ہے کہ سب اس طرح سے پیدا ہوتے ہیں اس طرح ہو سکتا ہے پیدائشی طور پر بول نہ سکتا ہوں سن نہ سکتا ہو پیدائشی طور پر اس کا ذہن کام نہ کرتا ہو یہ مستثنیات ہیں۔ عموماً انسان انسانی شکل پہ انسانی اعضاء وجوارح کے ساتھ انسانی استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے اسی طرح پیدائشی طور پر اسے درد دل بھی نصیب ہوتا ہے۔ پھر جب یہ اعضاء و جوارح پروان چڑھتے ہیں تو درد دل کہاں جاتا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ثم ابوہ یھودنہ اویو نجسانہ اویونصرانہ اوکماقال رسول اللہ ﷺ پھر اس کے والدین، اس کا گھر کا ماحول، اس کا معاشرہ کسی کو مجوسی بنا دیتا ہے کسی کو یہودی بنا دیتا ہے کسی کو نصرانی یعنی جو تربیت پھر اسے ملتی ہے وہ اس کے اس درد دل پر مٹی ڈالتی چلی جاتی ہے اور اپنے اثرات اس میں مترسم کرتی ہے جس طرح والدین کو دیکھتا ہے پھر بڑا ہوتا ہے تو اہل خاندان کو دیکھتا ہے پھر اور بڑا ہوتا ہے تو محلے اور معاشرے میں نکلتا ہے تو وہ ساری چیزیں اخذ کرتا ہے۔ اگر تو وہ چیزیں مثبت ملیں، درد دل میں مدد کرنے والی ہوں تو پھر وہ بھی ولی اللہ پیدا ہوتا ہے لیکن اگر ان چیزوں میں بات درد دل کے خلاف آجائے تو اسی معاشرے سے، انہی والدین سے جو چیزیں حاصل کرتا ہے تو پھر وہ کفر کی تاریکیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ درد دل اس کا دب جاتا ہے ختم نہیں ہوتا، جب تک موت نہیں آتی اس وقت تک اس میں استعداد رہتی ہے یا جب تک اس کے گناہ اس حد کو نہیں چھو لیتے جہاں اللہ توبہ کی توفیق ختم کر دے یہ بھی انسانی زندگی کا ایک درجہ ہے کہ خطائیں کرتے کرتے کوئی اس جگہ پہنچ جائے جہاں اس سے توبہ کی توفیق ہی سلب ہو جائے۔ جیسے اللہ کریم نے فرمایا ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ان کے دلوں پر، کانوں پر، اللہ نے مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اس کی تفسیر میں مفسرین کرام ایک حدیث نقل فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر گناہ دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا کرتا ہے اگر یہ اتنے بڑھ جائیں کہ بڑھتے بڑھتے بڑھتے دل میں سوائے تاریکی کے کچھ نہ رہے تو پھر اس پر مہر کر دی جاتی ہے اور اسے توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اگر کوئی اس سطح کو نہ پہنچ جائے تب تک درد دل اس میں موجود رہتا ہے اب اگر معاشرے نے اس کی رہنمائی نہیں کی، ماحول نے اس کی دستگیری نہیں کی بلکہ اس کے درد کو اور چھپایا تو پھر یہ کیسے ظاہر ہو؟ اللہ نے انبیاء ورسل اسی غرض کیلئے مبعوث فرمائے۔ اب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو آپ دیکھ لیں روئے زمین پر ایک فرد اللہ کے نام کو جاننے والا نہیں تھا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ دنیا پر نسل انسانی موجود تھی، حکومتیں تھیں، سلطنتیں تھی، معاشرے تھے، دربار تھے، عدالتیں تھیں، فوجیں تھیں، محکمے تھے، زراعت تھی، کھیتی باڑی تھی، تجارت تھی، کاروبار تھا، اولادیں پیدا ہو رہی تھیں، گھر بن رہے تھے لیکن پورے روئے زمین پر کوئی ایک بندہ اللہ کا نام جاننے والا نہیں تھا۔

حضرت سلیمان فارسیؓ کے قصے میں یہ واقعہ نقل ہوا ہے بات لمبی ہو جائے گی چلو مختصر کرتے ہیں اپنے مصائب میں پریشان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش میں وہ ساری زندگی سرگرداں رہے اور عمر کے آخری حصے میں بارگاہ نبوت ﷺ میں پہنچے اور پھر ساری عمر حضور ﷺ کی خدمت میں بسر کر دی۔ اولوالعزم صحابہ میں سے، اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ اثنائے سفر میں یہودیوں نے پکڑ کر غلام بنا لیا اور پھر دوسروں کو بیچ دیا۔ پھر وہاں سے نکلے تو رواں تھے مکے کی طرف۔ فرماتے ہیں ایک جنگل سے میرا گزر ہوا تو ایک ویرانے میں میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کی عمر ڈیڑھ سو برس کے قریب تھی اور ایک چشمے کے قریب وہ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے گرد جنگل کے جانور بھی بے تکلف پھرتے تھے۔ میں نے جنگل کے ہرنوں کو اور جانوروں کو بھی وہاں بے تکلف

آتے جاتے دیکھا۔ وہیں سے' چشمے سے پانی پیتے پھر اسی کے پاس بیٹھے رہتے' کوئی پرواہ نہیں' اس سے نہیں ڈرتے تھے اور اس نے اپنی کچھ بکریاں پال رکھی تھیں آٹھ نو دس ہو گئی تھیں انہی کے دودھ پر اس کا گزارا تھا اور وہ عبادت کرتا رہتا تھا۔ میں جب وہاں پہنچا وادی القریٰ کی تلاش میں کیونکہ پیش گوئیاں ہیں کہ حضور ﷺ وادی القریٰ میں مبعوث ہوں گے تو میں اس تلاش میں تھا کہ وہ ہوئے یا نہیں ہوئے کہ میں اس طرف جاؤں تو وہ فرماتے ہیں کہ تین دن میں اس شخص کے ساتھ کوشش کرتا رہا کہ مجھ سے بات کرے۔ وہ بات نہیں کرتا تھا۔ آخر تیسرے دن اس نے مجھ سے کہا کہ تم وہ شخص ہو جس نے پچاس برس بعد مجھے بولنے پر مجبور کر دیا۔ میں پچاس برس سے نہیں بولا۔ کیوں نہیں بولے؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ روئے زمین پر میں آخری فرد ہوں جو اللہ کو اس طرح جانتا ہوں جس طرح عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا تھا۔ اب روئے زمین پر میں ایک آدمی ہوں جو اللہ کو جانتا ہوں کہ اس کی ذات کیسی ہے اس کی صفات کیسی ہیں اس لئے کہ میرے پاس وہ خبر ہے جو عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ پچاس برس سے چپ اسی لئے ہوں کہ پچاس برس پہلے میں سمجھ گیا تھا کہ اگر یہ عقیدہ میں بیان کروں تو لوگ میری گردن کاٹ دیں گے۔ تب سے میں اس ویرانے میں ہوں کہ جنگلی جانور بھی مجھ سے مانوس ہو گئے ہیں لیکن تجھ سے بات میں اس لئے کر رہا ہوں کہ تو نبی آخر زمان ﷺ کا متلاشی ہے اور میرا آخری وقت قریب آگیا ہے۔ میں آج رات کو جان جان آفرین کے سپرد کر دوں گا۔ جب میں دنیا سے اٹھ جاؤں تو فضا کو اللہ خالی نہیں رکھے گا کہ کوئی بھی اس کے نام کو جاننے والا نہ ہو۔ اس کا قانون ہے۔ جب میں دم توڑ دوں گا نبی آخر زمان ﷺ مبعوث ہو جائیں گے یہ ممکن نہیں ہے کہ کائنات میں کوئی ایک بندہ بھی ان کے نام سے واقف نہ ہو۔ اس لئے کہ جب ایسا ہو گا قیامت آجائے گی۔ تو یونہی میرا دم نکلے گا' بعثت محمد رسول اللہ ﷺ کا اعلان ہو جائے گا۔ تو تم مجھے دفن کر دینا۔ مجھے اس چشمے کے پانی سے غسل دینا۔ مجھ پر دعا پڑھنا۔ مجھے دفن کر دینا اور یہ بکریاں بھی تم رکھ لینا اور وادی القریٰ کو چلے جانا۔ تمہارے پہنچنے تک وہاں بڑا شور بلند ہو چکا ہو گا کیونکہ یہاں سے کافی فاصلہ ہے اور جیسے میرا دم نکلے گا وہاں اعلان نبوت ہو جائے گا۔ یہ ایک ایسا نظام ہے اللہ کا کہ وہ دنیا کو اس درد سے خالی نہیں رہنے دیتا۔ جس طرح میری اور آپ کی روح ہے اس طرح کائنات کی ایک روح ہے اور وہ روح ہے معرفت الٰہی۔ اللہ کی پہچان۔ اگر وہ ختم ہو جائے تو آسمان گر جائے گا۔ زمین پھٹ جائے گی۔ ہر شے تباہ ہو جائے گی' قیامت کا جب حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ قیامت کب قائم ہو گی' فرمایا! حتی لا یقال اللہ اللہ جب اللہ اللہ جاننے والا' کہنے والا کوئی نہیں ہو گا قیامت آجائے گی۔ کیونکہ یہی معرفت الٰہی روح ہے اس کائنات کی۔ تو جب حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے' آپ ﷺ کے دل کا جو نور تھا' قلب اطہر کی جو روشنی تھی' آپ ﷺ کی توجہ میں جو اثر تھا اس میں اتنی قوت تھی کہ جہاں کوئی ذرہ درد دل کا باقی تھا ابھی مہر نہیں لگی تھی دل پر۔ کوئی ذرہ درد دل کا باقی تھا' اس تک حضور ﷺ کی آواز پہنچی تو اس درد کو زندہ کر دیا۔ آپ ﷺ کی نظر میں آیا تو نگاہ اطہر ﷺ تمام تاریکیاں اس معاشرے کی' اس ماحول کی' وہ ساری چیر کر اس کی تہہ تک پہنچی تو اسے زندہ کر دیا اور یوں دنیا میں پھر سے وہ لوگ پیدا ہو گئے جو پیدا کافروں کے گھروں میں ہوئے' پلے کفر کی آغوش میں' اور جب انہیں نور نبوت ﷺ سے سیرابی نصیب ہوئی تو مٹھی بھر' صحرا سے اٹھے اور روئے زمین کو لاالہ الا اللہ سے منور کر کے رکھ دیا۔

دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

فرمایا

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

پہلے وہ عشق پیدا کر پہلے وہ درد پیدا کر ہر مظلوم تیری آواز سے ہمت پکڑے کھڑا ہو جائے اور ہر ظالم پر لرزہ طاری ہو

قوت عشق ہے ہر پست کو بالا کر دے

پہلے وہ درد وہ قوت وہ عشق پیدا کر کہ مظلوم اس آواز سے طاقت حاصل کرے ظلم کے خلاف کھڑا ہو جائے اور ظالم لرزنے لگے اور پھر

دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

پھر وہی کیفیت جو نبی علیہ السلام نے بانٹی تھی پھر وہ دلوں میں بانٹ کہ زمانے میں روشنی ہو جائے۔ تو وہ درد دل ایک کیفیت تھی جو نبی علیہ الصلواۃ والسلام کی صحبت سے' آپ ﷺ کے کلام سے' آپ ﷺ کی ملاقات سے دلوں میں پہنچی اور جہاں وہ کیفیت آئی اس کے بعد تعلیم کتاب وحکمت کی باری آئی۔

یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم' دعوت دیتا ہے میرا حبیب ﷺ بندوں کو اللہ کی طرف ویزکیھم' پھر ان کے دلوں کا تزکیہ کرتا ہے اس درد دل کو زندہ کرتا ہے اور جتنی ظلمتیں اس کے اوپر ہیں انہیں دھو دیتا ہے۔ ویزکیھم پاک کر دیتا ہے صاف کر دیتا ہے اور جب وہ پاک صاف ہو کر اس میں درد آجاتا ہے یعلمھم الکتب والحکمتہ۔ پھر انہیں اللہ کا قرآن پڑھاتا ہے قرآن کی تفسیر' حدیث' فقہ یہ حکمت ہے پھر انہیں وہ دانائی سکھاتا ہے وہ شعور عطا کرتا ہے۔

تو درد دل ایک کیفیت ہے جس کا مخزن' جس کا مہبط' جس کا خزانہ ہے قلب اطہر محمد رسول اللہ ﷺ۔ اصل بات ہی یہ ہے کہ بنیاد یہ درد ہے اور پھر اس کے بعد تعلیم کتاب وحکمت ہے۔ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی نبوت تمام نسل انسانی کیلئے ہے تمام روئے زمین کے تمام ممالک کے لئے ہے اور تمام زمانوں کیلئے ہے گویا آپ ﷺ نے انسانوں کو وہ روحانی قوت بھی دی جس کیلئے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں اور وہ دنیوی معاملات کی رہنمائی بھی دی جس کیلئے پھر کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔ نبی جب آتے تھے تو دو کام کرتے تھے۔ ایک تو یہ کہ اللہ کی معرفت عطا کرتے تھے اور معرفت الٰہی وہی ہے جو آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلواۃ والسلام نے دی' جو نوح علیہ السلام نے دی' جو موسیٰ علیہ السلام نے دی' جو ابراہیم علیہ السلام نے دی' جو اسماعیل علیہ السلام نے دی' جو عیسیٰ علیہ السلام نے دی وہی معرفت محمد رسول اللہ ﷺ نے دی۔ چونکہ اللہ کی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی' اس کی صفات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی' عقیدہ آخرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی جتنے عقائد ہیں بنیادی وہ وہی عقائد ہیں جو آدم علیہ السلام سے لیکر حضور علیہ الصلواۃ والسلام تک ہر نبی نے بتائے۔ ہوتا صرف یہ تھا کہ معاشرہ یا ماحول یا والدین ان عقائد پر کفر کی' شرک کی' ظلمت کی تہیں چڑھا دیتے تھے۔ جب نبی آتا تھا تو ان تہوں کو چیر کر وہی خزانہ' وہی درد دل زندہ کر دیتا تھا۔ لیکن چونکہ نسل انسانی ترقی پذیر تھی' ہر آنے والا زمانہ نئے نئے انکشافات لا رہا تھا' جتنے انکشافات ہو رہے تھے' جتنی چیزیں بڑھ رہی تھیں' انسان بڑا سادہ ہے یہ سمجھتا ہے کہ میں نے ایجادات کیں اور میں نے ترقی کی' یہ نہیں سمجھتا کہ ہر ایجاد نے اس کی ضروریات بڑھائیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ عام آدمی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ جب تک ہمارے پاس ہوائی جہاز نہیں تھا ہمیں ہوائی جہاز کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اب جب ہوائی جہاز آگیا تو ٹرین سے ہمارا کام ہی نہیں ہوتا۔ ہمارے کام ہی کاروبار ہی ایسے ہو گئے کہ جہاز پر سیٹ ملنی چاہئے' مجھے فوراً پہنچنا چاہئے' رہ گیا تو میرا کام رہ جائے گا۔ جب تک ہمارے پاس ایکسرے مشین نہیں تھی ایسا کوئی مرض بھی نہیں ملتا ان لوگوں میں کہ انہیں ایکسرے کی ضرورت ہو۔ مرض ہی ایسے تھے کہ وہ نبض ٹٹولتے یا صرف اس کا قارورہ دیکھتے اور بس بتا دیتے کہ یہ بیماری ہے۔ اب جب وہ ایکسرے مشین آئی تو بیماریاں ایسی آگئیں کہ ایکسرے کے بغیر ٹریس ہی نہیں ہوتیں۔ جتنی ایجادات آتی ہیں اتنی ضروریات بڑھتی ہیں اب جب یہ ہمارے پاس نفیس کوٹ اور کمبل نہیں تھے تو ہمیں ان کی ضرورت ہی نہیں تھی ہم گھروں میں بن لیتے تھے بھیڑ کی اون سے' اونٹوں کی اون سے اور مزے سے زندگی گزرتی تھی۔ اب ان کیلئے مزید کماؤ۔ سرمایہ اکٹھا کرو' وہاں سے منگواؤ۔ وہاں سے خریدو۔ اسی طرح آپ کھانے کے معاملے میں دیکھ لیں' اس ہمارے سارے اس بیلٹ میں مجھے اچھی طرح یاد ہے' ہمیں ضرورت نہیں ہوتی تھی نہ بازار سے سبزی لانے کی اور نہ یہ تصور تھا کہ بازار میں سبزی بکتی ہے۔ یہ CONCEPT ہی نہیں تھا۔

ضرورت نہیں ہوتی تھی بازار سے چائے پینے کی اور یہ کوئی CONCEPT نہیں تھا کہ بازار میں چائے بکتی ہے' یہ تصور ہی نہیں تھا' یہ تصور ہی نہیں تھا کہ روٹی قیمتاً" ملتی ہے۔ لوگ جہاں جاتے یا ان کی واقفیت ہوتی یا پھر اپنا آٹا باندھ کر لے جاتے کہ روٹی پکوا کر کھالیں گے۔ اب سہولت ہوگئی' جگہ جگہ دکانیں بن گئیں' ہوٹل بھی بن گئے لیکن اس سہولت نے ہماری ضروریات کتنی بڑھا دیں اور ان مصروفیات کو کتنا بڑھایا تو اس سے کتنی تکالیف بڑھیں' ہم یہ بھول جاتے ہیں تو جوں جوں ایجادات بڑھیں' انسانی ضروریات بڑھیں' جب ضروریات بڑھیں تو انہیں پورا کرنے کے مختلف طریقے ایجاد ہوئے۔ ان میں اچھے بھی تھے برے بھی تھے حتیٰ کہ انسانیت اپنے کمال کو پہنچ گئی تو بعثت ہوئی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور کتنا عجیب ہے معاملہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانوں کو رہنے سہنے کا وہ سلیقہ دے دیا جو قیامت تک ہر حال میں انسانیت کو کفایت کرتا ہے۔ کتنی ایجادات ہو جائیں کتنا ماحول بدل جائے کتنا کچھ ہو جائے۔ لیکن حضور ﷺ کا دیا ہوا نظام وہی ہے اور وہ اس کا ایک فریم ورک ہے جس کے اندر اتنی وسعت ہے کہ آپ ہر زمانے کیلئے اس سے حل تلاش کر سکتے ہیں۔ اس چھوٹی سی کتاب میں' قیامت تک پیدا ہونے والے سوالوں کا جواب موجود ہے اور لاریب فیہ اس میں شبے کی گنجائش نہیں۔ یہی ختم نبوت کا مطلب ہے کہ بعثت محمد رسول ﷺ نے روحانی طور پر بھی اور مادی طور پر بھی دنیائے انسانیت کی تمام ضرورتوں کا جواب دے دیا۔ اب نئے نبی کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ مطلب ہے ختم نبوت کا۔ اب دنیا پھر مختلف نظام ہائے حیات میں بٹ گئی۔ اب تو ایسا ظالم زمانہ ہے کہ وہ لوگ کافر تھے اور اپنی پسند کے نظام میں رہتے تھے جس سے درد دل مرجاتا تھا' ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ہم نے وہ نظام چھوڑ دیا جو محمد رسول ﷺ نے دیا تھا اور وہ نظام اپنا لیا جو ؟ یہودی نصرانی یا مجوسی بناتا ہے۔ جس نظام کو ہم نے اپنایا بڑی عجیب بات ہے اور ہم بہت سی باتیں نہیں سمجھ پا رہے علامہ مرحوم نے بہت عرصہ پہلے انگریز کے زمانے میں کہا تھا کہ

ملا کو جو ہند میں ہے سجدے کی اجازت
نادان یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

وہی صورت حال اب بھی ہے جب انگریز یہاں تھا تو کیا تھا نماز سے تو منع نہیں کرتا تھا مسجد بنانے سے منع نہیں کرتا تھا' روزے رکھنے سے منع نہیں کرتا تھا' سوال یہ تھا کہ جب معاملات حکومت کے ساتھ آتے تو انگریز اسلامی طریقہ اختیار نہیں کرتا تھا۔ اپنا بنایا ہوا قانون اختیار کرتا تھا۔ آزادی سے مراد یہ تھی کہ ہندو بھی الگ ہو جائے' ہمیں اس کا نظام بھی نہیں چاہیے۔ انگریز بھی نظام چھوڑ دے' الگ ہو جائے' ہم وہ نظام اختیار کریں جو محمد رسول ﷺ نے دیا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ انگریز یہاں سے چلا جائے۔ یہاں رہے بیشک' نظام اسلامی ہو۔ انگریز بھی رہے بے شک ہندو بھی رہے' سکھ بھی رہے' اس میں تو کوئی قباحت نہیں۔ جسے جانا تھا' جس لعنت کو جانا چاہیے تھا وہ لعنت ہمارے گلے میں ابھی تک لپٹی ہوئی ہے اور ہم نے یہ سمجھا کہ انگریز چلا گیا' آزادی آگئی۔ ہم آزاد نہیں ہوئے۔ چونکہ جانا تو اس نظام کو چاہیے تھا جو ہمیں تباہ کر رہا ہے' ہماری نسلوں کو تباہ کر رہا ہے' ہمارے ایمان کو تباہ کر رہا ہے' ہماری دنیا کو بھی تباہ کر رہا ہے اور ہماری آخرت کو بھی تباہ کر رہا ہے۔ اب آپ دیکھ لیجئے اس نظام کی برکات۔ میں تو بڑے عرصے سے کہتا ہوں لیکن چلو اللہ نے ثبوت فراہم کر دیا۔ میں شروع سے کہتا ہوں کہ یہ نظام غریب کے حق میں تو بڑا شیر ہے۔ غریب پھنس جائے' بے قصور ثابت ہونے تک اسے دس سال گھسیٹتے رہو اور دس بارہ سال بعد بتاؤ کہ تم بے گناہ تھے' تمہیں ہم بری کرتے ہیں۔ لیکن طاقت ور آئے تو یہ نظام بدل جاتا ہے' اسے کچھ نہیں کہتا۔ چوری میں کروں تو مار مار کر پولیس بھرکس نکال دے لیکن میاں نواز شریف چوری کریں تو سپریم کورٹ کو بھی توڑ دو' قانون کے پرخچے اڑا دو۔ یہ ہوتے کون ہیں پوچھنے والے۔ یہی نظام ہے ناجس میں حکومت کہتی ہے کہ تمہارے دروازے تک انصاف جائے گا۔ کون سا انصاف یعنی نظام ہی ظالمانہ ہے قانون ہی ظالم ہے جسے آپ عدالت کہتے ہیں مجھے تو عدالت کے ٹوٹنے کا افسوس اس لئے نہیں کہ میں اس عدالت کو

عدالت مانا ہی نہیں کرتا۔ عدالت اسم ظرف ہے اور اس سے مراد ہے وہ جگہ جہاں عدل ہوتا ہو۔ عدل کا ہمارے پاس وہ تصور ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے دیا۔ اب جہاں اسے چھوڑ کر کوئی دوسرا تصور آجائے اسے عدالت کہا جائے تو اسلامی نقطہ نظر سے اسے عدالت کہنا گناہ ہے۔ وہ عدالت نہیں ہے۔ وہ ظلم کدہ ہے یا عدل ہوتا ہے یا ظلم۔ دو باتیں بیک وقت نہ عدل ہو سکتی ہیں نہ ظلم جبکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ نظام جو انگریز نے بنایا ضد ہے اس نظام کی جو محمد رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا ! قانون جو انگریز کا یا طریق شہادت جو انگریز کا ہے وہ اس سے الگ ہے جو قرآن نے کتاب اللہ نے حضور ﷺ نے دیا۔ اب جہاں فیصلے انگریزی قانون کے مطابق ہوتے ہیں اسے میں تو عدالت نہیں کہتا۔ اگر وہ ٹوٹ گئی تو اور اچھا ہوا۔ اس سے زیادہ رسوا ہو تو اور خوشی ہو۔ چونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ رسوائی کی جگہیں ہیں۔ یہ فرعونوں کی حکومت ہے۔ کیا وہ نمرود کی خدائی تھی بندگی میں میرا بھلا نہ ہوا یہی نمرود کی خدائی ہے کہ کمزور پھنس جائے تو اس کیلئے عدالت ہے' سپریم کورٹ کا فیصلہ آگیا اب آپ اف بھی نہیں کرسکتے۔ ایک آدمی کو سزائے موت دے دی سیشن جج نے وہ ہائی کورٹ چلا گیا انہوں نے دی سپریم کورٹ چلا گیا اس نے سزائے موت دے دی قصہ ختم ہوگیا۔ اب تو تمہاری کوئی فریاد نہیں اور میاں نواز شریف کی یا اس کے رفقاء کی یا بے نظیر کی یا حکمرانوں کی بات آئے تو سپریم کورٹ ٹوٹ جائے۔ ہے نا مزے کی بات۔ یہ وہ بات ہے جو ہم گزشتہ چار سالوں سے چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ اب اس کی بساط لپٹنی چاہیے۔ یہ ظلم کی بساط لپٹنی چاہیے تاکہ دلوں سے وہ ظلم کا بوجھ اور ظلم کی سیاہی دور ہو اور پھر ان میں درد دل پیدا ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیا ہوا نظام حیات' آپ ﷺ کا دیا ہوا عقیدہ اور آپ ﷺ کی دی ہوئی کیفیات' عقیدہ اور نظام علوم ظاہری کے ماہرین نے' فقہاء نے' محدثین نے' مفسرین نے' عمریں صرف کرکے آنے والی نسلوں تک پہنچائے۔ اسی طرح ایک نسل ان لوگوں کی ہے جنہوں نے زندگیاں صرف کردیں محض اس درد کو حاصل کرنے میں اور وہ درد پھر لوگوں تک پہنچایا۔ اب کسی کے دل میں وہ قوت ہو جو حضور ﷺ نے عطا کی' کوئی ایسا صاحب درد ملے وہ ہمارے دل پر توجہ کرے اور اس میں اتنی قوت ہو کہ جو سیاہیاں اس پہ چڑھ چکی ہیں انہیں چیر کر وہ روشنی نقطے تک پہنچے جہاں ہمارے دل میں کوئی ایمان کا ذرہ باقی ہے اسے پھر وہ گندم کے دانے کی طرح اس میں سے پھر وہ بوٹا اگائے وہ اپنی مدت لے پھر اس پر بور آئے پھر اس پہ خوشے لگیں پھر ان میں دانے پڑیں تب ہمیں جاکر درد دل نصیب ہو وہ جو کسی نے پوچھا ہے کہ درد دل کیسے نصیب ہو تو دل کی کھیتی پہ وہ نگاہ پڑے جو نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے مستفید ہو۔ دل کی وہ کیفیت انڈیلی جائے جو قلب اطہر محمد ﷺ سے نصیب ہو' اب انہی دلوں کی ضرورت ہے جو پھر اس درد سے فیض یاب ہو کر زندہ ہوں اور یہ میری بات لکھ لیجئے سوائے ان لوگوں کے اس نظام کی بساط کوئی دوسرا نہیں لپیٹ سکتا' یہ ممکن نہیں ہے' جو کوئی دوسرا اٹھے گا اگر اس نظام کو لپیٹنے کی کوشش کرے گا تو اس سے بدتر نظام مسلط کردے گا۔ آپ نے دیکھا کتنے لوگوں نے کوشش کی' یہ نہیں جی سوشلزم لاوٗ' سوشلزم کیا ہے اس سے بھی بدتر نظام ہے اور یہاں دوسرا نظام یہ ہوتا ہے کہ جو بات ہوتی ہے وہ اسلام کے حوالے سے ہوتی ہے۔ کسی کو قتل بھی کرتے ہیں تو اسلام کے حوالے سے' ظلم بھی کرتے ہیں تو اسلام کے حوالے سے' ڈاکہ بھی ڈالتے ہیں تو اسلام کے حوالے سے' سوشلزم ایک وہ نظام حیات ہے جس کی بنیاد اللہ کے وجود سے انکار پر ہے یعنی یہ اس کی بنیاد ہے۔ یہاں کہا گیا اسلامی سوشلزم۔ کیسی سادہ قوم ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے اسلامی کفر' اسلامی بدمعاشی' یہ کتنی سادہ قوم ہے اب سوشلزم اسلامی ہوگیا۔ جانے والوں کی باتیں تو ہر کوئی کرتا ہے۔ آج کی بات کریں تو محترم میاں صاحب کا اعلان ہوا جی حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہا کی طرح عدالت میں جارہے ہیں تو ساری قوم نے یہ نہیں پوچھا کہ حضرت عمر' حضرت علی عنہما نے بھی توہین عدالت کی تھی یعنی اپنے کام کو مماثلت دیتے وقت یہ تو دیکھو کہ اگر وہ عدالت میں گئے تھے تو کس جرم میں گئے تھے اور تم کس جرم میں جارہے ہو۔ پھر کیا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدالت توڑ دی تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سازش کی تھی عدالت کے خلاف یہاں تو کام بھی اسلام کے حوالے سے ہو رہے ہیں ضرورت ہے کہ ہم اپنے دلوں میں وہ نور پیدا کریں اپنے آپ کو اس ضابطہ حیات میں لائیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا ہے اور ایک قوت پیدا کریں جس میں درد بھی ہو عشق رسول ﷺ بھی ہو طلب الٰہی بھی ہو اور پھر وہ بات بنے اللہ اللہ اللہ

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

یعنی عشق میں وہ درد آئے کہ ہر مظلوم کا دکھ ہمیں محسوس ہو اور پھر ہر مظلوم تک ہماری وہ کیفیت پہنچے کہ وہ اٹھ کھڑا ہو۔ سمجھے کہ کوئی میری پشت پر بھی ہے۔ کوئی میرے ساتھ بھی ہے۔ کسی کو میری فکر بھی ہے۔ کسی کو میرا درد بھی ہے اور پھر

دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

آدمی اپنی ذات کو ذات نبوی ﷺ میں فنا کر دے خود کو محض ایک ادنیٰ غلام سمجھے۔ جس کا کام حضور ﷺ کا پیغام پہنچانا ہے خواہ آگے سے گولی آئے، تلوار چلے، توپ چلے، یا کوئی ایٹم بم برسائے ان باتوں سے بے نیاز ہو کر دیوانہ وار بڑھے۔ ایسے لوگ ہوں گے جو اس ظالمانہ نظام کی بساط لپیٹیں گے اور اس کی بساط لپٹ جائے تو پھر درد دل عام ہو جائے گا۔ بندے تو بندے درختوں، پتھروں، زمینوں کو بھی نصیب ہو جائے گا۔ زمینیں بھی کھیتیاں اگلنا شروع کر دیں گی۔ درخت بھی پھل دینے لگیں گے۔ بارشیں بھی اپنے موسم پر برسنے لگیں گی۔ یہ ساری چیزیں اس کے ساتھ منسلک ہیں۔ جہاں سے جتنا وہ خراب ہوتا ہے پھر سارے موسم بدلتے ہیں۔ انسان کے اندر کے جب موسم بگڑتے ہیں پھر اس کے کردار کے موسم بگڑتے ہیں، پھر روئے زمین کے موسم بگڑ جاتے ہیں اور جب وہاں سدھار آتا ہے تو پھر سارے زمانوں کی فضاؤں پہ سدھار آجاتا ہے۔

عذاب قبر

1- آنحضرت ﷺ کا گزر دو قبروں پر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات پر نہیں۔ ان میں سے ایک چغلی کھاتا پھرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے احتیاط نہیں کیا کرتا تھا۔

سفر سے واپسی

2- نبی اکرم ﷺ جب کسی سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ وہاں نماز پڑھتے پھر گھر کا رخ فرماتے۔

منافق کی نشانیاں

4- آن حضرت ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں (1) جب بات کہے جھوٹ کہے (2) جب وعدہ کرے خلاف کرے (3) جب اس کے پاس امانت رکھیں خیانت کرے۔

مقالات حکمت

اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز اپنے بندوں پر فرض نہیں فرمائی جس کی حد مقرر نہ کر دی ہو اور پھر اس کے عذر کو قبول نہ فرما لیا ہو بجز اپنے ذکر کے۔ نہ اس کی کوئی حد مقرر فرمائی جس تک اس کی رسائی ہو اور نہ اس کے ترک پہ کوئی عذر قبول فرمایا بلکہ یہ فرمایا "واذکروالله قیاما وقعودا وعلی جنوبکم" یعنی اللہ کا ذکر کرو کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں کے بل یعنی لیٹے ہوئے۔

فاذکرونی اذکرکم، اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ذکر و شکر کا حکم دیا ہے۔ اور ذکر کے بدلے ذکر کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس سے افضل وارفع اور کیا مقام ہو سکتا ہے۔ کہ کون و مکان کا خالق و مالک اپنے بندے کا ذکر فرمائے اور یہ عطا کی حد، عنائیت کی حد، کرم کی حد اور بندہ نوازی کی حد ہے۔

ان پڑھوں کی عدالت مولانا اکرم اعوان کا انتباہ

زورِ قلم مجاہد منصوری، بشکریہ "جنگ" پنڈی مورخہ 13 اپریل 98ء

"الاخوان" بغیر کسی انتخابی مہم کے ایک سرگرم مذہبی سیاسی تنظیم ہے جو چھوٹے شہروں اور دیہات میں خواص کے نظام کے خلاف جلسہ ہائے عام منعقد کر رہی ہے اس کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان' مولانا کم اور انقلابی زیادہ ہیں۔ سینٹ کے سابق ممتاز رکن طارق چودھری اب مولانا کے ہمرکاب ہیں۔ اعوان صاحب جہاں جاتے ہیں انقلاب کی صدا لگاتے ہیں ان کے بس میں ہو تو جاری نظام کو ایک لمحے کے لئے جاری نہ رہنے دیں۔ مولانا کے نزدیک "اسلامی جمہوریت کوئی نظام ہی نہیں۔ جس طرح پاکستان میں اسلامی سوشلزم کی بات نہیں چلی' اسی طرح ملک جمہوری ہو رہا ہے نہ اسلامی۔ اسلام ایک الگ اور مکمل نظام ہے اور جمہوریت اس سے ہٹ کر مغرب کا تحفہ ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق ہے نہ اسلام کا جمہوریت سے۔ اسلام میں تو تما صاحب کردار ہی سوادِ اعظم ہوتا ہے۔ جمہوریت (خصوصاً "پاکستانی ماڈل) ذہنی غلاموں کی اکثریت کی حمایت سے حکومت بنانے اور پھر اقتدار کی گاڑی میں بیٹھ کر ان ہی کے استحصال کا نام ہے۔ اسلام کو سوشلزم اور جمہوریت کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی فنکاری ہمارے پڑھے لکھوں نے کی۔ اس کمالِ فن کے نتائج ہم نے خوب دیکھے اور دیکھ رہے ہیں۔ پڑھے لکھے فن کاروں کی جادوگری ایسی ہے کہ رعایا میں الیوں کا بوجھ سنبھالنے کی سکت نے حیران کر دیا ہے۔ اب حیرت کی فراوانی بھی اپنی انتہا کو پہنچی' خطرہ ہے کہ ان پڑھ کہیں سب کچھ اپنے ہاتھ میں نہ لے لیں۔ انصاف کے حصول کے لئے وہ خود ہی عدالتیں نہ لگالیں' اس میں وکیل ہو گا نہ دلیل' جو فیصلے وہ سنائیں گے وہی انصاف ہو گا" مولانا اکرام اعوان کی یہ انقلابی گفتگو ہم نے اپنے دیرینہ دوست میاں مشتاق صاحب کی اقامت گاہ پر سنی جہاں چند دوستوں کو انہوں نے مولانا سے ملاقات کے لئے بلایا تھا۔ اعوان صاحب کو ایک مرتبہ پہلے بھی ایک محفل میں مختصراً" سنا تھا۔ میاں مشتاق جو برسوں لاہور کی سیاسی سماجی زندگی میں سرگرم رہے اب ڈیفنس میں عرصے سے ہنگاموں سے محفوظ ہیں۔ اچانک محفل بھی لگائی تو ایسی انقلابی کہ مولانا کا ایک ایک لفظ انقلاب کی ہیبت میں لپٹا ہوا تھا۔

برادرم مشتاق نے مجھ سے جیسے بزدل کو اس انقلاب آفریں عشائیے پر کیوں بلایا اس سوال کا جواب قارئین خود ہی تلاش کریں جیسے میں اس سوال کا جواب تلاش کر رہا ہوں کہ جماعت اسلامی کی صفوں سے ایک قدم آگے نکل جانے والا طارق چودھری جیسا سینٹ کا سابق سرگرم رکن جمہوری تماشے کو خیرباد کہہ کر مولانا اکرم اعوان جیسے انقلابی کا ہم سفر کیسے ہو گیا؟ محفل ختم ہوئی تو واپسی ایک ایسے کالم نگار کے ساتھ ہوئی جن کی کار کی عقبی سیٹ پر مسلح گارڈ براجمان تھا چند منٹ پہلے ہونے والی مولانا کی گفتگو میرے ذہن میں پھر اترنے لگی کہ "یہاں اسلام آیا' سوشلزم چلا نہ جمہوریت چل رہی ہے" اگر قلم کار کی کار مسلح گارڈ کے ساتھ چل رہی ہے تو پھر جمہوریت کیسے چل رہی ہے؟ قلم بندوق کے سائے میں ہی چلانا ہے تو پھر بندوق ہی کیوں نہ چلائی جائے؟ مسلح کالم نگار: ڈرتے ڈرتے گھر پہنچنے تک یہ ہی سوالات ذہن میں ابھرتے رہے پھر سوچا اپنے بچے پالو۔ کہاں مولانا جیسے انقلابی اور طارق چوہدری جیسا صفت شکن کہاں مجھ جیسا تنخواہ داری پروفیسر اپنے لئے تو گن مین رکھنا ایک طرف بجٹ کا توازن رکھنا ہی محال ہے۔ مٹی ڈالو انقلاب پر اور نظام پر جو چل رہا ہے چلنے دو۔ بندوق چلے یا قلم یا دونوں ساتھ ساتھ ہمیں کیا۔ ہم کونسا روک سکتے ہیں ویسے بھی پروفیسر کا کام پڑھنا پڑھانا ہے نہ کہ انقلاب لانا اور نظام بدلنا۔ سو پڑھو پڑھاؤ جو ملتی ہے روٹی کھاؤ جیسی آئے نیند سو جاؤ۔ یوں بھی مولانا نے کہا ہے کہ پڑھے لکھوں نے ہی اس حال پر پہنچایا ہے۔ اب انتظار کرو جب ان پڑھ عدالتیں لگائیں گے ہم آج کی عدالتوں کو قبول کر رہے ہیں جو مل رہا ہے اسے ہی انصاف جانتے ہیں۔ ان پڑھ آئیں گے عدالتیں لگائیں

جو فیصلے دیں گے وہی انصاف ہو گا تو جیسے آج کے انصاف کو مان رہے ہیں زندہ ہوئے تو اس وقت کے انصاف کو بھی مان لیں گے ہمیں تو بس ماننا چاہئے حکمرانوں کی اطاعت کرنی چاہئے۔ ہم کیوں انقلاب لانے کا اور نظام بدلنے کا سوچیں' پہاڑ سے سر ٹکرا کر کیا ملے گا۔ ویسے بھی مولانا کی بات میں وزن تو ہے' ملک میں جو کچھ ہوا اور کچھ ہو رہا ہے اس میں پڑھے لکھوں کا بڑا کردار ہے۔ کچھ نے ان بونوں کو دیوتا جانا اور کچھ نے محض نمک کی قیمت پر ان کی پوجا کی۔ من حیث الجماعت۔ دانشوروں کا یہ وہ کردار ہے جو قیام پاکستان کے لئے دانشوروں کے مجموعی کردار کے یکسر برعکس ہے سو جو نقشہ بنا ہے' اس میں ان پڑھ اپنی عدالتیں لگانے کے خواب دیکھ رہے ہیں تو اس پر تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ مولانا اکرم اعوان نے اس روز عبرت کو انتباہ کے طور پر پیش کیا۔ بلاشبہ یہ ایک بھیانک خواب ہے کہ ان پڑھ اپنی عدالتیں لگا لیں لیکن یہ اپنی جیسی تیسی عدالتوں پر کم از کم کسی کو دھاوا تو نہیں بولنے دیں گے کسی کی جرات نہ ہو گی کہ ان پڑھ مقدمے کی سماعت کر رہے ہوں اور باہر کوئی عدالت کی "گرتی تختیاں اور بورڈ درست کر رہا ہو"۔ وہ جیسی بھی عدالتیں لگائیں گے ان کی حفاظت تو خود کر ہی لیں گے میں نے محفل میں مولانا سے اختلاف کی جرات کی اور کہا تاریخ بتاتی ہے کہ ہم ارتقاء کے دھارے میں بہتی قوم ہیں۔ ہم انقلابی نہیں اسے برپا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں نہ مزاج۔ میرے اختلاف سے اختلاف کرتے ہوئے مولانا نے کہا "تاریخ تو بتاتی ہے کہ جو بھی برصغیر میں انقلاب لے کر آتا ہے' ہم اس کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ انگریز ہوں' مغل یا افغانی۔ ہم نے سب کا ساتھ دیا' لہٰذا قوم کا انقلابی ہونا ضروری نہیں محض ایک جنونی کی ضرورت ہے جس پر لوگ اعتماد کر لیں' وہ جو موٹروے پر چڑھ کر نعرے بلند کرتا اسلام آباد کا رخ کرے گا' لوگ خود ہی پیچھے لگ جائیں گے اور ایسے لگیں گے کہ انقلاب آجائیگا" کچھ ایسی ہی بات ایک دوست نے کی کہ انقلاب کے لئے انقلابیوں کی ضرورت نہیں کچلنے' مرتے تڑپتے لوگوں کی محرومیوں سے جو طاقت برآمد ہوتی ہے اسے ہی انقلاب کہتے ہیں میں ان انقلابیوں کی بات نہیں ماننا۔

دعائے مغفرت

سلسلہ عالیہ کے ساتھی حاجی محمد ریاض' حاجی محمد سرفراز (سرگودھا) کی والدہ ماجدہ اور پروفیسر جاوید آفتاب (اٹک) کے چچا جان اور خالد محمود اٹک کی والدہ ماجدہ اور اکبر علی (شیخوپورہ) کی والدہ ماجدہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں ان سب کیلئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

دار العرفان میں مندرجہ ذیل قربانی کی گئی

قربانی 1998ء

1	حافظ فرمان اللہ صاحب	بریڈ فورڈ
2	محترمہ شمس الوارہ صاحبہ	بریڈ فورڈ
3	سلمان بیگ صاحب	بریڈ فورڈ
4	محمود شاہد صاحب	بریڈ فورڈ
5	محمد طفیل صاحب	بریڈ فورڈ
6	محمد طفیل صاحب	بریڈ فورڈ
7	محترمہ عالم بی بی	بریڈ فورڈ
8	محمد اکرم صاحب	ہڈر سفیلڈ
9	محمد نذیر صاحب	ہڈر سفیلڈ
10	فیض احمد ماہل	یو ایس اے
11	گیلانی صاحب	دبئی
12	گیلانی صاحب	دبئی
13	ولایت شاہ صاحب	دبئی
14	شائستہ سلطانہ	دبئی
15	راشد صاحب	نیویارک
16	مسز راشد	نیویارک
17	میجر طارق	نیویارک

MONTHLY

AL-MURSHED

CPL # 3

اسرار التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان کی دلکش
تحریر میں قرآن کریم کی ایک منفرد انداز تفسیر۔ کہ قرآن
کریم کو سمجھنا نہ صرف آسان بلکہ دلچسپ بنا دیا ہے
پڑھ کر خود ہی افادیت کا اندازہ لگائیے۔ اب تک
نو (۹) جلدیں چھپ چکی ہیں۔ آرٹ پیپر پر مجلد
اور آفسٹ پیپر پر عام مجلد دستیاب ہیں

اویسیہ کتب خانہ
اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ
ٹاؤن شپ لاہور

AWAISIA SOCIETY, COLLEGEROAD
TOWNSHIP LAHORE. PH: 5180467